مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ

اوسَادھُو کِدھر چلے

(قبلہ بابا محمد عبید اللہ خان درانیؒ کی تصنیف)

(وادی سادھو ۱۹۴۸ کا اردو ترجمہ)

ناشر
فیض قادر

پیشکش
عبدالرحیم ملک

۱۹۸۸

طبع اول۔ (اردو ترجمہ) اکتوبر ۱۹۸۸ء
تعداد: ایک ہزار

ملنے کا پتہ

ا۔ قادر نگر۔ پیر بابا (بنیر) سوات
۲۔ الفروغ۔ ارباب روڈ۔ تہکال بالا پشاور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

جن بلند پایہ تحریروں کا مخرج ارتقائے روحانی سے تعلق رکھتا ہو۔ جن کا ایک ایک لفظ امر ربی بن کر کسی زبان کے لبادہ میں دنیا کے آگے پیش ہو رہا ہو۔ ان کی ترجمانی کوئی آسان کام نہیں۔ تب ہی الہامی کتب کے تراجم، تفاسیر در تفاسیر کے باوجود ایک بے تاب روح پیاسی رہ جاتی ہے۔

انسانی فہم کی کم مائگی کے باوجود الحمدللہ جمعی کوشش کے نتیجہ میں یہ اردو ترجمہ پیش کرنے میں جن بے لوث روحوں کو حسن مشاطگی عطا ہوا ہے اللہ انہیں اپنے دیدار سے نوازے۔ آمین۔

دعا ہے کہ ان کوششوں کا ثمر عام ہو۔ قارئین طالبین حق کو سفر انفس عرفانِ خودی نصیب ہو۔

فیض قادر

دیباچہ

اوسادھو کدھر چلے۔ ایک مختصر اور سلیس تمثیلی سرگزشت ہے اس میں جو علامات استعمال کی گئی ہیں (خصوصاً پہلے باب میں) وہ سامی مکتبۂ فکر سے لی گئی ہیں۔ اگرچہ سادھو خود آریائی ہے۔

اس تمام بیان میں ہر لفظ پُر معنی ہے اور اس میں نہ صرف مکمل تسلسل ہے بلکہ ہر عظیم سازینہ کی طرح اس میں سُروں کی اُڑان موضوع کا پھیلائو اور لے تال کی گونج سب ہی موجود ہیں اور موسیقی کے شاہکار کی طرح اس انشائیے کا سحر صرف اس وقت ظاہر ہو گا جب قاری اسے بار بار پڑھے۔ اور اس پر اچھی طرح غور و فکر کرے۔ کہیں کہیں بیان میں وحدت الوجود کا رنگ جھلکتا ہے یہ نہ صرف اس لیے ہے کہ بیان لطافت سے عاری نہ ہو۔ بلکہ اس لیے بھی کہ وہ واحد حقیقت جس کا ہم اس خارجی عالم ظہور میں ادراک کر سکتے ہیں۔ وحدت الوجودی حقیقت ہی ہے۔ پہاڑیاں، دریا، سمندر اور چھوٹی چھوٹی یہ ظاہر غیر اہم تفصیلات اور درمیان میں آجانے والی کہانیاں سب ایک منصوبے کے تحت ہیں۔ وجود حقیقی کی نقاب کشائی، حقیقت کا عرفان اور حق تک رسائی۔

موضوع اگرچہ ماضی، حال اور مستقبل سب کا احاطہ کئے ہے لیکن وقت کی قید سے ماوراء ہے۔

پہلا باب:۔ اس سازینے میں اُس جستجو کا ذکر ہے جو مرشد کی دریافت پر ختم ہوتی ہے۔

دوسرا باب:۔ اس عظیم سازینے سہاگ رُت میں وصالِ یار اور مستی دمہ ہوشی کے لمحات کا اظہار کیا گیا ہے۔

تیسرا باب:۔ اس سازینے صوتِ سرمدی میں واپسی کے تنہا سفر کا بیان ہے۔ بنی نوع انسان کے مفاد کی خاطر ''واپسی'' کے بارے میں چوتھا باب بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ مقام ہزار سال میں کسی ایک کو نصیب ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا چنداں ضروری نہیں۔

محمد عبید اللہ دُرانی

اراکو ہلز سائوتھ انڈیا

۵ جون ۱۹۴۹ء

پیش لفظ

''ودر ای سادھو'' ایک متلاشیٔ حق کی روحانی آپ بیتی ہے کہ اس میں روحِ انسانی کو اُس نئی نویلی دلہن کی طرح پیش کر دیا گیا ہے جو سولہ سنگھار کئے نوک پلک سے سج کر روبرو ہے۔ یعنی حسن باطن انسانی کا وہ شاہکار ہے کہ جس نے بھی اپنے آئینہ باطن کو مجلیٰ کر کے اس کا روپ دیکھنا چاہا وہ خود اپنے آپ پر فریفتہ ہو گیا۔ انا الحق کہہ اٹھا۔ مگر وہ کہ جسے مخصوص مقامات ارتقائے باطن انسانی سے گزار کر قربِ ذات ، شرع و آئین، عشق و مسیحائی عطا کر دی گئی اور محبوبیت کے زمرئہ میں شامل کر لیا گیا وہ عبدہٗ کہلایا۔ خصوصی بندگی کے احسان میں ڈوبا اور پکار اٹھا۔ مالک تیرا کرم ہے۔ سب کچھ تو ہی ہے۔

''ودرای سادھو'' عالم امکان میں حُب ازلی کی وہ کُوک ہے جس کی سادہ موسیقیت کی گہرائی کے اثر کو صرف ایک جدائی میں بے قرار روح ہی پا سکتی ہے۔ یہ بغیر 'لے' تان اور سُر ایسا راگ ہے جسے موسیقی کے دیوتا بھی نہیں پا سکتے اور ایسے بسیط الفاظ بھی جیسے نغمۂ لاہوتی، صوتِ سرمدی، ارغنونِ عدم صرف اس کی بیرونی حدوں تک پہنچتے ہیں۔

اس طرح ودرای سادھو، ایک الہامی کتاب ہے جسے حیا کے تقاضوں میں الفاظ ، استعاروں اور تشبیہوں میں ڈھانک کر قلوب پر نازل کر دیا گیا ہے۔ ایک ادبی شاہکار ہے جو کسی ترجمانی میں نہیں آسکتا۔ جہاں اس کا اچھوتا انداز، عقل و دانش کو حیرت میں ڈال کر بے زبان و ساکت کر دیتا ہے۔ وہاں سادہ قلوب اور بھولی معصوم عقل پر نقش

دوام چھوڑ جاتا ہے۔ خود شناسی کی راہ میں فکر کرنے والوں کے لیے ایک ایک لفظ کی کچھ معنویت ہے۔ ترجمہ میں یہ خوبی کہاں آسکتی ہے۔ اس لیے کتاب کے صفحات میں نیچے لکھی ہوئی تشریحوں سے قطع نظر کچھ بھی معنی فہمی کی جائے اور روح کے اُس سوز و کیف میں گزارا جائے جس کے نشر کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

کتاب کا پس منظر اور معنویت حجازی ہے، و الفاظ اور بیان ضرورتاً ہندی رکھا گیا ہے۔ ہندی ماحول میں آواگون (ارتقائے روحانی) کے عقیدے اور مظاہر حق دیوی دیوتاؤں، فرشتوں، ملائک کے ذکر کے بغیر ارتقائے باطن کی راہ بیان کرنا اور راہ پر ڈالنا تھوڑا دشوار آمر ہے۔

عالم انسانیت، روحِ انسانیت ایک وحدت میں ہے۔ روحِ انسانی کے ارتقاء میں جو صدیاں در صدیاں گزر گئیں ان میں سے ایک متلاشی حق کو اسی زندگی میں گزارنا ہے۔ یہ اواگون روح کے مقام پر اسی جنم میں ہونا ہے۔ اور اسی زندگی میں جمادی سے نباتی، نباتی سے حیوان، حیوان سے انسان پھر انسانی روح کو خود شناسی کی اولین منزل، مقامِ آدم' سے لے کر مقاماتِ اعلیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے اور وہ دیوی دیوتا اپنے ہی قوائے باطنی کی بات ہے۔ تخلیق جو ایک وحدت میں ہے۔ باطن انسان پر جو صدیوں سے شکستی اور طاقت کا بھوت سوار یہ اس کو اپنے وجود کی پاکی ہی میں دفع کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح لکشمی اور دولت کی ہوس ہے جو انسان کے اپنے باطن ہی میں گھیرے ہے یا سَرسَوتی، علم و دانش کے جھول ہیں۔ اسی طرح گھمنڈ ہے۔ غرور ہے، حرص ہے، زندگی سے چمٹا رہنا ہے۔ حسد، بغض کینہ اور خدا جانے کیا کیا شہواتِ نفس ہیں۔ جن میں صدیوں سے گھری ہوئی روحِ انسانی کو نکالنا ہے۔ کیا کیا گنا جائے۔ شک، وہم، دھوکا، زُھد، تقویٰ، مذہب کی آڑ، فلسفۂ حیات، بھگتی، جوگ، ملنگی، فقیری، خدا جانے کیا کیا

جھیلیں، وادیاں اور گھاٹیاں، فریب نفس کے جھاڑ، جھنکار، دلدل، تاریکیاں اور گڑھے ہیں۔ جن میں سے روح انسانی کو سلامتی سے سفر کرا دینا ہے اور حق تک پہنچا دینا ہے کہ جو کچھ ہے بس وہ ہے۔

'ودای سادھو' کتاب کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

پہلا قدم:۔ راہِ باطن میں ڈالے جانے والی بسم اللہ ہے۔

روحِ انسانی کو وہ اپنی یاد آ جاتی ہے وہ مقام جان لینا ہے جہاں سے آدمؑ کے مقام سے اس کا عروج شروع ہوا۔ اب تلاشِ حق میں کسی سایۂ کرم میں روح کی دشت نوردی ہے۔ جسم، قلب تو ساتھ دیتے ہی ہیں۔ پھر عالم انسانیت کے اکملوں کی تاریخ کے مختلف مقامات، مختلف مینار ہائے نور مختلف سنگ میل جن سے گزر کر مرشد پاک حق تک پہنچنا ہے۔ اب علم و عرفان، آئین و قوانین، شرع و طریقت عشق کی معنویت بخشتے ہوئے مقامِ ذات تک رسائی اور محبوبیت سے ہم آغوشی ہے۔ مرشد کے ساتھ حیات نو قائم ہوئی تو مقصد زیست کا تعین ہوا۔ اور غم انسانیت میں خلقت کے بوجھ ڈھونے کی راہ پر لگا دیئے گئے۔

دوسرا قدم:۔ جب خلقت کا دکھ درد اپنانے کے قابل ہوئے

تو قرب و وصال حق سے شناسائی کرائی جاتی ہے۔ عروسیٔ حق کی شادمانیاں، ایسی اکائی میں روح کو دکھائی جاتی ہیں کہ طالب خود ہی شادیانۂ عروسی جذب و غم عشق بن کر اپنی فنا کر لیتا ہے۔ روحانی سواری سے بھی شناسائی کرائی جاتی ہے اور دین و دنیا کو توازن میں رکھتے ہوئے حق تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ حق سے نسبت قائم ہو

جانے کے لیے یہ سبق متلاشیٔ حق کی روح کو خود بھی ایک کیف و انبساط کے عالم میں دہرانا ہوتا ہے۔

تیسرا قدم:۔ یہ تنہا سفر ہے۔ سبق کا عملی زندگی میں دہرانا ہے۔ ایک مستیٔ دوام مستیٔ باہوش میں، روحِ امرِ ربی کی کار فرمائی ہے۔ ایک جذبۂ کن ارتقائے باطن میں، علم و دانش، فلسفۂ حیات، مذہبی کتابوں کی باطنی فہم کا القا ہونا ہے، طریقت کے سلسلے جلالی، جمالی، خزائن معرفت کی چابیاں ہاتھ آ جانا ہے، راہِ طریقت عشقپر لوگوں کو لگانا ہے۔ باطنی صلاحیت توحید' عشق' سپردگی (تیل' مرچ' ہلدی) کی مقداروں کو توازن میں لا کر کیمیا بنانا ہے۔ کہ یہ مٹی کا وجود خالص کندن بن جائے۔ پھر راہِ حق میں لوگوں کو پروان چڑھاتے ہوئے اپنی راہ چلتے بننا ہے کہ اس ارتقاء' عروج کی کوئی حد ہی نہیں، لوگ کہتے رہیں۔ اے خود شناسی کے طالب کدھر چلے، مگر طالب حق کیا کہے۔

اچھا! ایسا! یہ! وہ! یا خیر اپنا آپا جو کچھ بھی ہو!

مگر تو ہے۔

ولی الدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

آغاز سفر عروج

دور دراز ماضی کے سرمئی دھندلکوں میں یادوں کے نقوش پر صرف ایک چٹان[۱] نشانِ راہ کی طرح ابھرتی ہے۔ جس پر میں ڈھلوان کی جانب سے جا چڑھتا ہوں۔

ارے ہاں! لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے گھاٹی کے اُس پار میدان سے ایک راستہ ایک [۲] باغ کو جاتا ہے۔ جہاں درختوں کے چھائوں میں دہکتے [۳] سورج کی تپش سے بچ کر عجیب آسودگی اور تسکین حاصل تھی۔ یہاں ہر قسم کے درخت تھے۔ آموں پر تازہ تازہ گرمی کے موسم کی بو آی

ہوئی تھی اور آملے پکے لدے کھڑے تھے۔ یہاں چیکو بھی تھے اور کنویں کے قریب ایک نارنج کا سبز درخت تھا۔ ارے! اس کے چار ۴ پھل عطا ہوتے ہیں۔ مگر آہ! کیسے کانٹا ۵ چبھتا ہے انگلی سے لہو ٹپکتا ہے۔ مگر پھر وہ چاندی ے پیالہ میں ۶ امرت آتا ہے۔ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا۔ اور خوب تر و تازہ ہو کر ہم کل کا انتظار کرتے ہیں۔ اگلے دن کا، دوپہر چڑھے سورج ے کے تلے ہم آگے بڑھتے ہیں۔ گھاٹی سے گزر کر سامنے کی چٹان ۸ پر پہنچتے ہیں۔ وہ روحِ انسان کے سفر کی یادوں کا سنگ میل، تلاشِ حق کی وہ یادیں جب سے وقت شروع ہوا۔

او طالب! تم مقدس وادی میں چل رہے ہو۔ اپنی جو ۹ تی پیچھے چھوڑ دو، قدم مضبوط

۱۔ مقامِ آدمؑ ۲۔ جنت ۳۔ شمس حقیقت ۴۔ طریقت کے چار سلسلے ۵۔ عشق کا نشتر ۶۔ راہِ باطن میں ڈالے جانے کی بسم اللہ ۷۔ شمس حقیقی، مرشد ۸۔ مقام موسیٰ ۹۔ دین و دنیا

رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ پھسل ۱ جائو۔ ہم چٹان ۲ پر طلوع ہوتے سورج کی طرح قبلہ رُو کھڑے ہیں۔ ہمارے سامنے حد نگاہ تک پھیلا ہوا پہاڑیوں، دریائوں، جھیلوں، تالابوں، راستوں اور ٹھکانوں کا لامتناہی ۳ سلسلہ ہے۔ جہاں تک انسانی خیالات اور کوششوں کا پھیلائو ممکن ہو سکتا ہے۔

دور بہت دور دھندلاتے اُفق کی خواب آلودہ کُہر میں بائیں جانب انگلی کا اشارہ ہوتا ہے۔ جہاں تک سمہا ۴ چلم کی پہاڑی ہے وہاں ایک پار سا رہتے ہیں۔ بہت سارے زائرین وہاں جاتے ہیں اور مچھلیاں ۵ لے کر لوٹتے ہیں ہر قسم کی مچھلیاں جو اپنی اپنی خواہش کے مطابق چھانٹ کر کھانے والے سارسوں ۶ کے لیے کافی ہوتی ہیں۔

اور دور سامنے ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ جہاں سے چار قدم کے فاصلے پر وہ دریا بہہ رہا ہے۔ جس کے کنارے کنارے ہم کل چلے تھے۔ دریا کی تہہ میں نکیلے سنگ ریزے ہیں۔ ٹھنڈا پانی پائوں کو اچھا لگتا ہے۔ یہ کیسے نظر کی دھند لکوں کو صاف کر دیتے ہیں۔

اُدھر ہی سامنے وہ راستہ ہے جو دو پھیلے ہوئے پانیوں کے درمیان سے گزرتا ہے۔ اور اس سے پرے دیکھو تو کلکتہ جانے والی ریل کی پٹری ہے۔ تم نے سنا ہو گا کلکتہ ے میں کئی قسم کی ٹوپیاں ۸ اور تاج مل سکتے ہیں۔ ہاں۔ اسے جو وہاں تک پہنچ جائے اور قیمت بھی ادا کر سکے۔ عالم خیال میں سفر کرنا آسان ہے۔ لیکن پا پیادہ چلنا تھکا دینے والا ہے۔ اور کلکتہ صرف وہی پہنچ پاتے ہیں جو جو راہ و رسم

منزل ہے واقف ہوں۔ اس سفر میں چھ ماہ تک لگ سکتے ہیں۔ ریل گاڑی بے شک بہت جلدی پہنچا سکتی ہے۔ نہیں ابھی کوئی ریل گاڑی نہیں گزری۔

۱۔ مقامِ عروج، روح سے گر جانا ۲۔ شرع و آئین ۳ تلاش حق کی کوششوں کی بے شمار نشانیاں۔ ۴۔ بائیں جانب کی توحید، صراطِ مستقیم سے ہٹی ہندوئوں کی خشک توحید کا مقام۔ ۵۔ اولاد۔ ۶۔ راہ کھوٹی کرنے والے رہبر۔ ۷۔ آخری اسٹیشن۔ باباتاج الدین۔ ۸۔ نشانِ ولائت۔

البتہ اِدھر اُدھر کچھ اونچی چمنیاں ۱ دیکھتے ہیں۔ بعض سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ اور بعض خاموش ہیں۔

ہمارے عین سامنے وہ منزل نور ۲ ہے جس کے ارد گرد بڑ کے عظیم الشان درخت ہیں۔ جو سب کے سب سبز، تر و تازہ اور پتوں سے لدے ہیں۔

انتہائی دائیں جانب وہ جھاڑ جھنکار کی بڑی دلدل ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ چٹیل پہاڑی ہے۔ جس میں ایک ہیرا ۳ ہے۔ اس کی پہچان میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ وہ آس پاس کی زمردی سبز پہاڑیوں کے مقابلے میں بالکل بنجر ہے ۔ پھر سے اس وسیع منظر پر بار بار نشاندہی کرتی ہوئی انگلیوں ۴ کے اشاروں کے مطابق مختلف نشانیوں اور راستوں کو نظر میں رکھتے ہوئے ہم پورے سورج کی تمازت میں نیچے اترتے ہیں۔ اپنی جوتیاں پہنتے ہیں اور کانٹوں بھرے راستے پر چل پڑتے ہیں۔

آہ! یہ کانٹوں بھری جھاڑی ۵ !وہاں، ہم اس میں آگ لگائیں گے۔ بہت محنت مشقت سے ہم ایندھن جمع کرتے ہیں۔ کچھ سوکھے پتے کچھ سوکھی ٹہنیاں انہیں آگ لگاتے ہیں۔ لیکن پتوں کے شعلے جلد بجھ جاتے ہیں۔ اور درخت جھلس تو جاتا ہے پر جلتا نہیں ہے۔ خیر پھر کبھی سہی۔ شاید یہ پورا خشک ۶ نہیں ہے۔

ہم نے اس پہاڑ پر سے جو کچھ دیکھا وہ سب کچھ دیکھا مگر یہ جاننے کے لیے کہ یہ حقیقت تھی۔ اس آگ ۷ کو لگانا ضروری تھا۔

اس طرح او طالب، تمہیں قانون ۸ عطا ہوا۔ ضابطہ عمل ملا اور راہ کا تعین ہوا۔ اس ٹیلے پر وہ پتھر ہی وہ نقطہ ۹ ہے۔ جہاں سے سب کھلی حقیقت دیکھ سکتے ہیں۔ اور وہ

۱۔ مرشد کے حکم کی تعمیل۔ ۲۔ انفرادی جدوجہد سے سفر روحانی۔ ۳۔ مقام مرشد پاک۔ ۴۔ مردِ قلندر ۵۔ احکام و نشاندہی مرشد۔ ۶۔ مرشد کے زیر سایہ۔ ۷۔ مادی وجود کی خواہشات۔ ۸۔ ہوا و ہوس سے آزاد۔ ۹۔ فنائے نفس تا کہ روح میں بقا ملے۔ ۱۰۔ موسیٰ کے دس احکامات الٰہی۔ ۱۱۔ اصول، ضوابط، شرع و آئین۔

پتھر ہر جگہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ سمہالا[1] چلم کی پہاڑی سے۔ مگر دُھندلا سا۔

مکعب چٹان کا نغمہ توحید

اوطالب! میں گم گشتہ و حیران ہوں۔ اور گزرے ہوئے کل پر آج کا شبہ ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ تاریخ انسانی طلب اور جستجو کی تاریخ میرے دل کی دھڑکنوں کی تھاپ کے ساتھ قدم بہ قدم گزر گئی ہے۔ پر اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں۔ میں تم کو ایک خواب سناتا ہوں جو میں نے چھائوں میں اونگھتے ہوئے دیکھا تھا۔ کیا وہ حقیقت تھی یا ایک نشانی۔

میں کنویں کی منڈیر پر بیٹھا تھا۔ مجھ سے کہا گیا کہ سامنے چیونٹیوں کے گھروندے[2] سے ایک بہت بڑا کوبرا[3] ناگ آتا ہے جو بہت سے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے۔ میں کنوئیں کی منڈیر پر آلتی پالتی بیٹھا تھا۔ ذرا سی اونگھ یا دھکا مجھے کنوئیں میں گرا سکتا تھا۔ طویل انتظار کے بعد چیونٹیوں کے گھروندے سے ایک بہت بڑے پھن والا بڑا کوبرا سانپ برآمد ہوا۔ اس کا پھن بہت عجیب تھا۔ پھن کے دونوں طرف دو چھوٹے چھوٹے اُبھرے ہوئے حصے تھے جو چھوٹے پھنوں کی طرح نظر آتے تھے۔ ناگ سوراخ سے نکلتے ہی کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ پورے قد کے انسان کی ناف تک بلند ہو گیا۔ پھر یکایک اس نے سرخ ساڑھی میں ملبوس ایک خوبصورت عورت کا روپ دھار لیا۔ وہ میرے قریب آئی اور میں نے دیکھا کہ اس کے اُن دو ہاتھوں کے علاوہ جو اس نے ناف پر باندھ رکھے تھے۔ اس کے اور بھی دو چھوٹے ہاتھ تھے جن کی ہتھیلیاں یوں مؤدبانہ انداز میں ملائی ہوئی تھیں۔ جیسے سلام کر رہی ہو۔ میں نے پوچھا۔ ”تو کون ہے؟“ اس نے کہا۔ ”شکتی“[4] میں نے پھر پوچھا تو آس پاس کے لوگوں کو کیوں تباہ کر رہی ہے۔ اس نے کہا۔ ”یہ درست ہے۔“ میں لوگوں کو قتل کرتی رہی ہوں۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی ہے۔ آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔

۱۔ برہمنوں کی خشک توحید۔ ۲۔ بے شمار خواہشاتِ جسم۔ ۳۔ نفس انسانی کا عملی روپ۔ ۴۔ انسان کے اپنے قوت و اقتدار کا فرشتہ۔ ۵۔

میں چلی جائوں گی۔'' میں نے ضمانت مانگی تو اُس نے کہا۔ ''آپ کی موجودگی ۱ سب سے بڑی ضمانت ہے۔'' اور پھر اس نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے سور ۲ کی شکل میں تبدیل کر لیا اور تیزی سے سمندر کے کنارے جھاڑیوں میں گم ہو گئی۔

میں چونک کر اٹھ بیٹھا۔ مگر کیا میں سویا بھی تھا۔ خیر ایک ہی بات ہے۔ او شکتی! جس کی ہر ایک کو تلاش ہے۔ عام آدمیوں کو اپنی عام مشکلات پر قابو پانے کے لیے غیر معمولی اشخاص کو سلطنتیں قائم کرنے کے لیے۔ او شکتی جی! تو آتی ہے تو ناگ بن کر اور جاتی ہے تو سورج ۳ بن کر۔ میں خاموش ہوں کہ تو دفع ہو گئی ۴۔

آگے چلتے ہیں۔!

متلاشیٔ حق، زائر کی رفتار سست ہے اور چڑھائی بہت سخت ہے۔ ایک راستہ تو نظر آتا ہے۔ لیکن ایسی کوئی پگڈنڈی دکھائی نہیں دیتی جو عام گزر گاہ رہی ہو۔ تھوڑے عرصے کے لیے ایک گڈریئے ۵ سے مجھے لاٹھی دلوا دی جاتی ہے کہ اپنی کمر کا بوجھ آرام سے اٹھا کر چڑھتا رہوں۔ اور گو کہ میرا سر جھکا ہوا ہے۔ اور مجھے سورج ۶ نظر نہیں آ رہا ہوتا۔ لیکن دوپہر کا سورج ہمت بندھا رہا ہے اور دعوتِ سفر دیتا ہے۔ میں گاہے بہ گاہے آگے دیکھ لیتا ہوں۔ چاروں طرف پہاڑیاں ہیں اور گھنے خار دار جنگل ۷ ہیں۔ ہم نہایت گہری تین گھاٹیوں سے گزرتے ہیں۔ یہ گھاٹیاں بعض جگہوں پر اتنی گہری ہیں کہ صرف دوپہر کے سورج کی روشنی ہی وہاں پہنچ پاتی ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ان ہی گھاٹیوں میں چیتے اور دوسرے درندے اپنے شکار کو گھسیٹ کر لاتے ہیں۔

۱۔ اندر نورِ حق آیا باطل رفع ہوا۔ ۲۔ جو اپنے وقت و اقتدار کے شوق کی اصل شکل ہے۔ ۳۔ چوری چھپے آتی ہے اور قابل نفرت بن کر جاتی ہے۔ ۴۔ میرے وجود سے ہمیشہ کے لیے ہٹ گئی۔ ۵۔ عیسیٰؑ ۶۔ شمس حقیقی۔ ۷۔ علم و دانش کی خود فریبیاں۔ ۸۔ اپنی وحشی قوتوں کا پیکر۔

تاکہ بغیر مداخلت کے کھا سکیں۔ ہم ان تینوں کو عبور کرتے ہیں۔ ان تینوں کی جدا جدا نوعیت ہے۔ اب ہم اصل چڑھائی ۱ تک آن پہنچتے ہیں بہت تھکا دینے والا راستہ ہے۔ لیکن اِدھر اُدھر سے ایک نہ ایک تر و تازہ ہوا کا جھونکا ۲ آ جاتا ہے جو ہمیں چلتے رہنے پر اکساتا ہے۔ قدم قدم پر سانس برابر

کرنے کے لیے رکنا پڑتا ہے۔ لیکن قوتِ ارادی کی ایک کوشش اور جذبۂ شوق میں ہم چلتے جاتے ہیں۔ بہت سارے پیچھے رہ گئے۔ اوہ! وہ بعد میں آتے رہیں گے۔ ہم آگے بڑھتے ہیں۔

وہاں دائیں جانب تم دو بلند قامت درخت دیکھتے ہو جو ایک صاف ستھرے عمارت کے میناروں کی طرح نظر آتے ہیں۔ میں سکھ کا سانس لیتا ہوں کہ منزل سامنے ہے۔ ساری تھکن دور ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

ہم آگے ہی آگے کامیابی سے بڑھتے ہوئے ہیں۔ راستہ چبھن ۳ دار ہے۔ کانٹوں ۴ سے بھرا پڑا ہے۔

سامنے ایک پہاڑ کی ڈھلوان میں قدرے اونچی جگہ پر دو بڑے ناریل ۵ کے درختوں کے درمیان کالا مکعب ۶ پتھر ہے جو اس قدر خوبصورتی سے ایک بڑی چٹان پر رکھا ہوا ہے۔ جیسے کسی انسانی ہاتھ نے سجا دیا ہو۔ چٹان اس قدر متناسب انداز میں ترشی ہوئی ہے جیسے اسے کسی خاص مقصد سے تراشا گیا ہو۔ ایسی کوئی اور چٹان آس پاس دور دور تک نظر نہیں آتی۔ ہم اس چٹان پر چڑھ جاتے ہیں صرف ہم زیادہ کے لیے جگہ نہیں ہے۔ ہم پھر مغرب کی طرف رخ کرتے ہیں اور پشت پر چڑھتا سورج ہے۔ دائیں بائیں پہاڑیاں ہی پہاڑیاں ہیں لیکن سامنے بالکل کھلا میدان ہے اور ہم دور دور تک دیکھ سکتے ہیں۔ پہاڑیوں پر بانسوں ۷ کے درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہیں۔

۱۔ راہِ توحید ۲۔ نصرتِ حق ۳۔ راہِ توحید۔ ۴۔ وہم و گمان۔ ۵۔ موحد ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی نشانی۔ ۶۔ کعبہ مقامِ ذات کی نشانی۔ ۷۔ مختلف فلسفۂ حیات

لانبے کھلے بانس اور چھوٹے ٹھوس بانس۔ ہر جھنڈ اپنی ہی شاخوں ٹہنیوں کانٹوں میں سختی سے گتھا ہوا ہے۔ پیچھے کی پہاڑی پر کچھ ایسے بھی ہیں جو ان بانسوں کو اپنے لیے یا فروخت کے لیے کاٹ رہے ہیں۔ ہم چلنے والی کلہاڑی کی آواز بھی سنتے ہیں۔ دائیں طرف کی پہاڑی پر بھی ایک بڑا جھنڈ ہے۔ خشک اور بے رنگ لیکن اپنے ہی الجھاؤ کے سہارے مضبوطی سے ڈھلوان پر کھڑا ہے۔ یہاں ایک درخت ایسا بھی ہے جو گول زرد پھل دیتا ہے۔

سامنے ٹیلے پر دائیں جانب ناریل کے دو تر و ۲ تازہ درخت ہیں ان میں سے ایک چھوٹا اور جوان ہے۔ اس کو ابھی دس سال لگیں گے جب اپنے ساتھ والے کے برابر ہو گا۔ دوسرا درخت تازہ اور مضبوط ہے۔ تقریباً بائیس (۲۲) سال کا ہو گا... اب ہم آرام کرنے کے بعد آگے دیکھتے ہیں وہاں پیچھے وہی بڑی دلدل جھاڑ ۳ جھنکار ہے۔ اور اس کے ایک طرف دور تک سبزہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ کروڑ دو کروڑ ۴ ناریل کے درختوں کی چھتریاں ہیں۔ اس سے آگے آپ پہاڑی دیکھ سکتے ہیں۔ ہاں وہی مٹیالی پہاڑی جس میں ہیرا ۵ ہے ہم آرام کرتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور راحت و سکون محسوس کرتے ہیں۔ یہ مکعب پتھر جس پر ہم کھڑے ہیں۔ کتنا اُس کالے مکعب پتھر سے ملتا جلتا ہے۔ ''نہیں نہیں یہ اُس سے دو ناپ چھوٹا ہے۔'' وہ کالا پتھر ہاں! اُس جیسا قرب و جوار میں کوئی نہیں اور وہ کون تھا جو اُس پر بیٹھا تھا اور ۶۱۵۰ سال تک عبادت کی تھی اور پھر وہ پتھر زمین سے بلند ہو گیا تھا اور بندروں ۷ نے زنجیریں ڈال کر اُسے روکنے کی کوشش کی لیکن انہیں یہ کوشش ترک کرنی پڑی۔

پہاڑی کے اُس پار دائیں جانب ایک بڑی جھیل ہے جس کے اِرد گرد ناریل کے لاکھوں درخت اُگے ہیں۔

۱۔ سہروردیہ طریق۔ ۲۔ مظہر حق کے ساتھ ایک اکائی میں آنے والے مرید۔ ۳۔ مردہ فلسفے۔ ۴۔ عارفانِ راہِ توحید۔ ۵۔ مرد قلندر۔ ۶۔ حضرت ابراہیمؑ علمبردار توحید۔ ۷۔ عیسائیت کے علمبردار جو اسلام سے پہلے آئے۔

کیا تم نیچے ٹیلے پر کچھ آدمیوں کو پھرتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ وہیں نیچے ایک چھوٹا ندی بہتی ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتی۔ وہیں دھوبی ۱ گھاٹ بھی ہے۔ کیا تم وہ پتھر کی دیوار بھی دیکھ رہے ہو جس نے پہاڑی کا کچھ حصہ اور بائیں طرف کا بہت سارقبہ گھیر رکھا ہے۔ دیوار کافی اونچی ہے اگرچہ یہاں سے چپٹی لگتی ہے اور اس پر خار دار جھاڑیاں بھی بہت اُگی ہوئی ہیں۔ یہ احاطہ ۲ ہرنوں کے گھومنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ لیکن یہ اُس زمانے کی بات ہے جب یہاں راجاؤں کی حکومت ہوا کرتی تھی۔ ہمیں ایک ریل کی سیٹی سنائی دیتی ہے۔ غالباً کلکتہ والی لائن پر کوئی ریل گاڑی ہے۔ اوہ نہیں! یہ کوئی میل گاڑی یا پسنجر گاڑی کا وقت نہیں ہے۔ غالباً یہ مال گاڑی ہے۔ ہم انتظار کرتے ہیں لیکن کوئی ریل نہیں آتی۔ یہ غالباً دریا کے کنارے لگی ہوئی پن چکی کی آواز تھی۔ نیچے اُترتے ہوئے ہم واپس

مڑ کر دیکھتے ہیں۔ پہاڑیوں کی قطار کے ذرا اوپر نیا چاند ۳ ہے جو دن کی کھلی روشنی میں کچھ زرد اور شرمایا ہوا سا ہے۔

نیچے سبز ڈھلان پر اتر کر لاٹھی گڈریے ۴ کو واپس کر دی جاتی ہے۔ او گڈریئے! میرا دل تمہاری طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ تمہارے کاندھوں پر کونسا بوجھ ۵ ہے جس نے تمہاری کمر دوہری کر دی ہے۔

ہم نیچے اتر آتے ہیں۔ پہاڑی ندیوں سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے تاریخ رواں دواں ہے۔

درمیانی موسیقی

"وقوف" حصہ۔ 1

پھر ایک روز ہم دوپہر کے ۶ سورج کی ہمراہی میں ۷ دریا کی طرف روانہ

۱۔ خطاکاریوں کو دھوڈالنے والا نظام رحمت ۲۔ شاعروں۔ ۳۔ خود متلاشی حق توحید کی روشنی۔ ۴۔ عیسیٰؑ۔ ۵۔ انسانیت کے گناہ۔ ۶۔ مظہر حق۔ ۷۔ روحانی علم کا راستہ۔

ہم ہوتے ہیں۔ وہاں ریت پر چلتے ہیں جو کہیں نمی کی وجہ سے ذرا سخت ہے اور کہیں بھُر بھُری سی ہے۔ کہیں کہیں ہمارے پائوں دھنس بھی جاتے ہیں اور ٹانگیں بوجھل بھاری محسوس ہوتی ہیں۔ دریا کے اتنے پھیلے ہوئے طاس میں صرف ڈیڑھ دو فٹ چوڑا پانی کا بہائو ہے۔ جہاں جہاں پانی تھوڑا جمع ہے وہاں کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں ۱ موجود ہیں۔ کہیں کہیں ابھری ہوئی جگہ پر جہاں مٹی چکنی اور زرخیز ہے وہاں کچھ کھیتی باڑی کے نشان دکھائی دیتے ہیں۔ آس پاس کھلی دھوپ میں بہت سی سیپیاں ۲ پڑی چمک رہی ہیں اشارہ پانے پر میں نے چار کو چن لیا اُن میں سے دو ابھی بند ہیں۔ ہم چلتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ہمیں دریا ایک پہاڑی کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔ پھر ہم واپس ہو جاتے ہیں۔ ریت میں چلنا کتنا تھکا دیتا ہے۔ جب ہم واپس آ رہے تھے تو ایک ریل گاڑی کی سیٹی سنائی دی۔ لیکن یہ عام ریل گاڑی کا وقت نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے مال گاڑی ہو۔ لیکن آواز تو میل گاڑی کی سی

تھی۔ شاید میل لیٹ ہو گئی ہے۔ بہت لیٹ۔ ریل ہم سے ایک میل دور کسی وجہ سے رک کر پھر آ گئی۔ یہ کلکتہ ۳؎ جانے والی ایک اسپیشل گاڑی تھی۔ واپسی پر پہاڑ کے ایک نچان سے دائیں جانب دیکھنے پر ہمیں ہرنوں کا پارک اور اُن دو ناریل کے درختوں کا مقام نظر آیا۔ اب سادھو جی ہمارے آگے بڑھنے سے پہلے ایک واقعہ سناتا ہوں۔

کسی زمانے میں ایک جنونی شخص "اق" ۴؎ رہتا تھا۔ وہ جنگلوں اور بیابانوں میں پھرتا رہتا اور اپنے محبوب کا نام گنگناتا اور جپتا رہتا۔ ایک دن اُس نے سُنا کہ دشمنوں سے چوٹ کھانے میں اُس کے محبوب کا ایک دانت ٹوٹ گیا ہے۔ اُسے اتنا دکھ ہوا کہ اُس نے روتے روتے پتھر لے کر اگلے تمام دانت توڑ لیے۔ کیونکہ اُسے معلوم نہ تھا کہ محبوب کا کونسا دانت ٹوٹا تھا۔

اس کا تمام منہ پھول گیا، سوج گیا۔ یہاں تک کہ وہ بات تک نہ کر سکتا

۱۔ حق کے متلاشی۔ ۲۔ جن میں کبھی عقل و دانش کے موتی ہوں۔ ۳۔ بابا تاج کی جانب سے بلاوے کی سپیشل سواری ۔ ۴۔ نبی پاکؐ کے نادیدہ عاشق اویس قرنیؒ۔

تھا۔ پھر سارا چہرہ سوج گیا، اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ پھر منہ کے زخم گل سڑ گئے اور منہ سے کیڑے گرنے لگے اب کوئی اس کے نزدیک بھی نہیں جاتا تھا۔ اُس کی بہت قابل رحم حالت ہو گئی۔ وہ اپنے محبوب کے تصور میں گم پڑا رہتا تھا کہ اُس کے قریب کے گائوں میں ایک مسافر کے روپ میں فرشتہ آیا اور اقؔ کو پوچھنے لگا کہ کہاں ملے گا کچھ کو پتہ نہ تھا اور جن کو پتہ تھا انہوں نے اجنبی کو بتایا کہ اقؔ بہت بیمار ہے اور گائوں سے دور صحرا میں کہیں مر رہا ہے۔ فرشتہ وہاں تین تحائف لے کر پہنچا۔ اُس نے اقؔ کو فیضانِ رحمت کا پانی دیا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ مبتلا شخص نے اسے کسی نہ کسی طرح پی لیا اور اُسے افاقہ محسوس ہوا۔ پھر فرشتے نے لائے ہوئے گیارہ میں سے سات کیلے اُسے دیئے اس نے وہ سات کیلے کھا لیے اور اس کی حالت اور بہتر ہو گئی۔ پھر اقؔ نے مسافر کی منت سماجت کی کہ اس کے محبوب تک لے جائے۔ فرشتہ تھوڑی دور چلا اور غائب ہو گیا۔

او سادھو! رات کے کھانے کا وقت ہے آئو کھانا کھائیں اور یہ لو ایک ایک کیلا ہے تم میں سے ہر ایک کے لیے۔

ہم ایک دوسری طرف سے دریا کی جانب روانہ ہوتے ہیں۔ اس راستے سے جو دو پھیلے ہوئے پانیوں کے درمیان سے گزرتا ہے۔ شام کی ہلکی خنکی میں ہم روانہ ہوتے ہیں۔ ۲؎ دسویں کا چاند اپنی شرمیلی چاندنی ہر طرف بکھیر رہا ہے۔

راستہ بہت لمبا ہے کچھ گائوں میں سے گزر کر اور کچھ چوراہوں کو پار کر کے ہم دریا تک پہنچتے ہیں۔ یہ اس دریا سے بہت چوڑا ہے۔ جہاں ہم پہلے گئے تھے۔ ارے یہ تو وہی دریا ہے۔

۱۔ روحانی ارتقاء کے مخصوص مقررہ مدارج۔ اویسی نسبت۔ ۲۔ خود متلاشیٔ حق

لیکن ذرا آگے جا کر۔ یہاں پانی بہت شفاف چوڑا اور گہرا ہے۔ ہم پانی میں چل کر دوسرے کنارے تک پار کر لیتے ہیں۔ یہاں ہم اُس پل ۱؎ کے آثار دیکھتے ہیں جو عوام کے لیے کھولے جانے سے پہلے ہی بہہ گیا تھا۔ اس کی بناوٹ میں یہ بات مدِ نظر رکھی ہی نہ گئی تھی کہ پہاڑیوں کی ڈھلوانوں سے بہتی منہ زور ندیوں کی بے پناہ قوت کا مقابلہ کر سکے۔ ہاتھ میں ایک ٹارچ ۲؎ لیے واپس آتے ہوئے ہم ایک بڑی مچھلی ۳؎ کو دیکھتے ہیں جو ہم سے بچ کر دوسری طرف جاری ہوتی ہے۔ پانی میں ہاتھ ڈبو کر ۴؎ چار گھونگے اٹھائے جاتے ہیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دیئے جاتے ہیں اور ہم دسویں کے چاند کی خاموش چاندنی میں واپس لوٹ آتے ہیں۔

آخری بات (آخر نغمہ)

او طالب! کیا آگے چلنے سے پہلے میں تم کو ایک اور واقعہ سنائوں۔ شاہ ظفر آخری مغل شہنشاہ برما میں قید تھے، اُن کے دو بیٹے مارے گئے اور ایک روس کی طرف بھاگ نکلا تھا۔ زارِ روس نے اُس پناہ گزین سے کہا اگر شناخت کے لیے اپنے والد کی مُہر والی انگوٹھی لے آئو تو تم روس کی شہزادی ۵؎ سے شادی کر کے آرام سے یہاں زندگی گزار سکتے ہو۔ شہزادہ خاکروب کا بھیس بدل کر ایک تجارتی جہاز پر برما پہنچ گیا۔ اشرفیوں سے بھری تھیلی قید خانے کے خاکروب کو دیکھ کر اس نے کہا کہ دو ایک دن کی خاکروبی کا کام مجھے کرنے دو۔ یہ انتظام کر کے شہزادے نے ایک تہیہ کیا ہوا کاغذ

پاخانہ میں رکھ دیا جس میں اپنے آنے کا مقصد بیان کر دیا۔ پھر اُس نے اپنے آپ کو والد کے سامنے پیش کیا۔ وہاں بہت سے اور لوگ تھے۔ شاہ اپنے ہی بیٹے کو نہ پہچان سکا۔

۱۔ دریائے علم روحانی کے اوپر سے گزرتے ہوئے دنیوی طریقے۔ ۲۔ محسوسات کی دنیا سے حاصل کردہ علم۔ ۳۔ حقیقت کا متلاشی۔ ۴۔ مختلف مذہبی مکاتب فکر و عمل جو بند راستوں پر ختم ہوئے اور ترقی نہ کر سکے۔ یوگا جیسے۔ ۵۔ ملک چین مستقبل میں اسلام کی قوت بازو۔

بھونڈے لباس اور بڑھی ہوئی داڑھی نے اُسے اچھی طرح چھپالیا تھا۔ شہزادے نے اس کے آگے انگلیوں سے کچھ ایسے اشارے کئے کہ بادشاہ نے اُسے پہچان لیا۔ جذبات سے اُس کا دل اُمنڈ آیا لیکن غیروں کی موجودگی کے باعث اپنے کو قابو میں رکھا۔

اگلے دن، نہیں، اُسی دن سے شہزادے کی اپنے والد سے ملاقات ہوئی اور وہ تجارتی جہاز سے پھر واپس روس چلا گیا۔ یہاں کہانی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ اختتام ہی ایک آغاز ہو سکتا ہے۔

تیرھویں کا چاند تھا یا کہ چودھویں کا۔ ۲ چاند کے بدر کامل ہونے میں ذرا سی کسر تھی۔ اس کے نچلے کنارے پر ہلکی سی زردی کی جھلک تھی جو دیکھنے والے کے دل میں پورے ہونے والے چہرے کے تصور سے ہی ایک دھڑکن پیدا کر رہی تھی۔ ہم ۳ سمندر کی جانب بڑھ رہے تھے جس کی گہرائی، جس کا پھیلاؤ جس کی خاموشی اور جس کا زور شور سب ہی غایت درجہ کے تھے...

یہ ایک لمبا سفر تھا جوں جوں ہم گزرتے گئے اپنے گرد جانی پہچانی چیزیں دیکھتے چلے گئے۔ یہ چیزیں حقیقی بھی معلوم ہوتی تھیں اور ساتھ ہی غیر حقیقی بھی جیسے کہ ایک عاشق کی چشم پُرنم سے دیکھی جا رہی ہوں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا حقیقت اور واہموں کے درمیان سے حجابات اٹھا دیئے گئے ہوں۔ اور ہم خواب اور عالم بیداری کی سرحدوں پر ہوں۔ روپہلی روشنی اس پر محبوب کی پھیلائی ہوئی وہ موتی جیسی آب، اتنی نازک اتنے لطف و کرم والی۔ اتنی اپنائیت والی کہ نہ کوئی خواہش رہی تھی اور نہ کسی خواہش کی ضرورت باقی تھی نہ یادیں تھیں نہ آرزوئیں، نہ کسی کوشش کا خیال باقی رہا تھا۔ نہ آرام کا۔ اُس مسحور کُن نور کی ملائمت نے تمام احساسِ دوئی کو مٹا دیا تھا۔

۱۔ اسلام کی حیاتِ نو کا ذریعہ۔ ۲۔ خود متلاشیٔ حق۔ ۳۔ بحر حقیقت۔

یہاں تک کہ پہاڑ دریا بلکہ خود نور تک سب کے سب، کسی طرح ایک ہی دکھائی دینے لگے۔ میں پوری طرح بیدار تھا ایک خوشی ۱؎ ایک کیف مسرت، ایک خاموش قہقہہ میرے دل میں پھوٹ رہا تھا۔ جب میں، میں کہتا ہوں تو شک اور جھجھک کے ساتھ اور ایسا زیادہ زور لگا کر جیسا کہ ہوا سے اپنے کو کاٹ کر ایک غوطہ خور پانی میں اترتا ہے وگرنہ سب کچھ ایک ہی تھا۔ میں سوچتا ہوں کہ کیا یہی نہیں ہے جس کو امن و سلامتی کہتے ہیں۔ جسے اسلام کہتے ہیں۔ یہ ایمان ہی کی آفتابی ۲؎ روشنی سے گزر کر آدمی اسلام کی ماہتابی وسعتوں کو پہنچتا ہے۔ شاید اسی لیے ۳؎ چاند کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس طرح ہم آگے بڑھتے ہیں۔ لو وہ سامنے اُفق ہے۔ آسمان کس کسر نفسی کی شان کے ساتھ زمین سے ملنے کے لیے جھک رہا ہے اور ہم آگے بڑھتے ہیں۔ آہ یہ کتنا حسین سماں ہے۔ واقعی یہ سچائی کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ محبوب کی سرزمین ہے۔

کس قدر رومانی کس قدر پُرکشش ہے۔ یہ ساحل۔ بائیں جانب چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ کہیں کہیں چٹانیں اور پتھر ابھرے ہیں جو سمندر میں بڑھ گئے ہیں اور دائیں جانب نہایت ہی حسین اور رتیلا ساحل ۴؎ دور تک بڑھتا چلا گیا ہے۔

ہم کنارے پر قدم رکھتے ہیں۔ سمندر بھرپور اور پُرسکون ہے۔ صرف کناروں پر جذبات کی شدت ہے۔ ساحل نے اسے گھیر رکھا ہے۔ سمندر خاموش ہے سوائے کناروں کے جہاں وہ اپنی رودادِ شوق بیان کرنے کے لیے بے چین بے قرار نظر آتا ہے۔ ہم کچھ دیر کھیلنے کی شوقین موجوں سے کھیلتے ہیں اور ایک چٹانی حصے پر چلنے لگتے ہیں۔ کتنے مزے ہے۔

۱۔ کیف وحدت الوجود۔ ۲۔ شمس حقیقت۔ ۳۔ مظہر حق۔ ۴۔ ی سب بحر حق کو آغوش میں لے لینے والی کوششوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ہے۔ (آریہ عقل و دانش کی بھیتو یہی پُرکاری ہے) حیرت ہے کہ موجیں در موجیں چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر کیسے جھاگ اور پانی کی پھوار چھوڑتی ہیں جو چاندنی میں اور دمک اٹھتی ہیں۔ ان موجوں کو قہقہہ کہیں یا قہر و جلال۔ شاید فطرت کی آہنگ نے یہ سب کچھ تخلیق کیا ہے۔ ہم واپس آجاتے ہیں

اور اس ریت کا جس کا رُخ سمندر کی طرف ہے بیٹھ جاتے ہیں۔ چشم ۱؎ بند و گوش بند و لب بہ بند۔ صوت سرمدی کے کیف ہیں۔ ہاں بھئی طالب! اب جبکہ تم فطرت سے ہم آہنگ ہو گئے ہو۔ اگلی دفعہ تم مہا ۲؎ سنگیت سنو گے۔ اس دوران خود اندازہ کر لو کہ تمہاری شراب ۳؎ کا خمیر اچھی شراب کا ہے۔ اسے کھٹانہ ہونے دو۔

اسی حالت میں، میں چند گلیوں سے گزرتا ہوا بڑھتا ہوں۔ کاندھے پر میلے کپڑوں کی گٹھری، ایک لاٹھی کی مدد سے لٹکی ہوئی ہے۔ چلتے چلتے کسی نے آواز دی۔ "او فقیر تم شاید یہ کپڑے دھوبی گھاٹ ۴؎ لے جا رہے ہو۔ تو کیا میرے بھی دھو دو گے۔" میں جواب دیتا ہوں۔ "ہاں، ہاں بالکل اگر پسند کرو تو انہیں رنگ ۵؎ بھی دوں، تمہیں کونسا رنگ پسند ہے، زعفرانی ۶؎، سبز، سرخ یا پیلا۔ جو بھی تم پسند کرو۔ میں نے اس کے کپڑے بھی گٹھری میں رکھ لیے اور جیسے ہی چلنے لگا وہ بولا۔ "ارے فقیر تم جو کپڑے پہنے ہو وہ بھی کبھی دھوتے ہو۔ یہ کتنے میلے ہیں۔ ان کا رنگ بالکل اس مٹی جیسا ہو رہا ہے جس پر تم چل رہے ہو۔" میں ہونھ، بڑبڑاتا ہوں اور چل ۷؎ پڑتا ہوں۔

آخری داستان (تمام حُجّت)

اے دوست! جو کچھ بتایا جا سکتا تھا وہ سب تمہیں بتا دیا جو بیان میں نہیں

۱۔ آنکھ بند کر لو، کان بند کر لو، زبان بند کر لو اس گمشدنی میں صوت سرمدی کا کیف لو۔ ۲۔ پورا کلمہ توحید۔ ۳۔ مئے الست۔ ۴۔ جہاں گناہوں کے میل دھوئے جاتے ہیں۔ ۵۔ چار سلسلہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ۔ ۶۔ میں 'وہ، میل' غلاظت 'اُجلا' پاک سب ایک ہی تو ہے۔

آتا وہ کیسے وہ سب کچھ میرے قلب میں دفن ہے۔ "ارے تم نے کیا کہا۔ "میرے قلب کے مدفن ہیں۔" نہیں نہیں مرے ہوئے تو صرف قیامت کے دن جی اٹھیں گے۔ مجھے تو پہلے سے ۱؎ زندہ کر دیا گیا ہے۔ لوگ صرف آئینہ کو دیکھتے ہیں۔ آئینے ۲؎ میں نہیں دیکھتے۔ گہری ۳؎ نظر ڈالو پھر تم دیکھو گے۔ واقعی پیو ۴؎ پھر تم زندہ رہو گے۔ قدم ۵؎ اٹھاؤ پھر تم پہنچو گے۔

باب دوئم

سہاگ رُت (عظیم زینہ)

اے طالب! کیوں نہ ہم ٹھنڈے دل اور صاف دماغ سے سمجھنے کی کوشش کریں یہ سب کچھ کیا ہے۔ وہ کیا بات تھی جس نے بدھا کو دنیا کی تمام نعمتیں ٹھکرا کر کاسہ ٔگدائی ہاتھ میں لینے پر اکسایا۔ وہ کیا شے ہے کہ ایک سپاہی سے ہٹلر بناتی ہے۔ جو ایک مشینی پتلوں جیسی تنظیم کے ذریعہ سلطنتوں کی بنیادیں ہلا دیتا ہے۔ وہ کیا ہے جس نے والمیکی جیسے اَن پڑھ آدمی کو رامائن جیسی شاہکار کتاب کا مصنف بنا دیا۔ او طالب! ہمیں اپنے آپ کو تقدیر شخصیت ٔنامعلوم ترغیب جیسی مصروفیات سے دھوکا نہیں دینا چاہیئے۔ یہ ہمیں فیصلہ دینے میں مدد نہیں دے سکتے۔ تم نے تو اپنے آپ پر سے تمام پرانے فلسفوں، ۶ عقیدوں کی گرد جھاڑ لی ہے۔ قدیم علم و روایات کے بندھن توڑ چکے ہو اور صاف تختی ۷ سے ابتدا کی ہے۔ بھلا تم ایسے مفروضات کو کب مان سکتے ہو جو محض ایک نام کے عوض دوسرے نام دیدیئے گئے ہیں۔

۱۔ موتو قبل انت موتو کی منزل سے گزار دیا گیا ہے۔ جان سے فانی جاناں میں باقی کر دیا ہے۔ ۲۔ صاف شدہ دل۔ ۳۔ ظاہر کے پس پردہ اشیاء کی معنویت پر غور کرو۔ ۴۔ شرابِ شوق۔ ۵۔ محبوب کی جانب۔ ۶۔ وہ عقیدے جن کی واردات میں سے خود نہ گزرے ہوں۔ ۷۔ لوحِ دل۔

میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ نہ تو یہ امید ہے نہ یہ کامیابی کا یقین کامل ہے اور نہ یہ مشکلوں کو حل کرنے کا فطری جذبہ ہے نہ ہی یہ ٹوٹے ہوئے دل کا فرار ہے۔ جس نے ہر زمانے میں اِن پہاڑ جیسے روشنی کے میناروں کو جنم دیا۔ اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے تمہارے پاس نہ صرف ایک صاف تختی ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس کے رگ و ریشے کو بھی صاف کر لو تاکہ شیشے کی مانند آر پار دیکھا جا سکے۔ اپنے آپ کو تمام خوف اور توہمات کی جبلتوں سے پاک کر لو۔ اپنی حفاظت اور طاقت حاصل کرنے کے تمام لگاؤ کو ختم کر دو۔ یہ اُس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب اپنی تختی کو عشق کی زبردست بھٹی سے گزار کر صاف کر لوگے۔ مگر پھر بھی یہ پاور ہے کہ شعلۂ عشق صرف کیمیا گر کی آنچ ہوتا ہے سونا نہیں ہوتا۔

اے بھائی! کیا آپ جانتے ہیں کہ ملتوں میں جنگیں کیوں ہوئیں اور ہوتی رہیں گی۔ انسانی فطرت ''نہیں'' فطرت تو ایسی ہے کہ تلوار ہی سے آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ تلوار کی پشت پر پوری عمر یا اس سے زیادہ عرصہ کی تربیت اور ہنر ہوتا ہے۔ اس کا سہارا ایک تیز آنکھ اور پُھرتی بنتی ہے۔ اس کی مدد چالاکی اور اچانک حملہ سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن بنیادی طور پر تلوار کی ہی جیت ہوتی ہے۔ تلوار ہی وثوق سے یقین دلاتی ہے۔ اور تلوار ہی انسانی یا فرد کی تاریخ میں بڑے بڑے تغیرات کی بنیاد بنتی ہے۔

بہت سے کم خون عالموں کا دعویٰ ہے کہ عقل و علم ہی وہ تلوار ہے جو جہالت اور تاریکی کو چاک کرتی ہے اور روشنی اور شان شوکت کی جانب لے جاتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت کا ایک معمولی سا حصہ بھی نہیں ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عظیم محبت اور آہمساہی[1] وہ تلوار ہے جو انسان کو رفعت عطا کرتی اور اس پست دنیا کو آسمانی بادشاہت کا نمونہ بنا دیتی ہے یہ بھی سچائی کا صرف ایک حصہ ہی ہے۔ اس لیے کامل سچائی نہیں ہو سکتا۔

ا۔ ظلم کو اپنے صبر اور قوتِ برداشت سے، بغیر مادی جنگ کے شکست دینا ''عدم تشدد''

اے طالب! تم ان بے معنی پھلوں کے خالی خولوں سے تھک گئے ہو گے۔ میں تم کو ایک واقعہ سناؤں... کسی زمانے میں ایک بڑے بزرگ رہا کرتے تھے اور دور دور سے ان کے ارادت مند آتے تھے وہاں ایک کسان بھی تھا۔ جسے اپنی زمینیں جو ان بچوں میں تقسیم کر دینے کے بعد کچھ کرنے کو نہ تھا اس لیے وہ ان بزرگ کے پاس آ گیا تھا کہ ان کی خدمت کرے اور اس طرح بے فکری اور بے تکلیف کے زندگی گزرے۔ اس نے دیکھا کہ ان بزرگ کے پاس مختلف قسم کے لوگ آتے ہیں۔ کوئی عالم کوئی سپاہ گر کوئی تاجر کوئی پادری۔ لیکن ہی عرصے میں برابر ہو کر اُسی کی طرح خدمت کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح اس نے بہت وقت گزارا۔ سوالہ یا بیس سال اُس نے یہ بھی دیکھا کہ جو لوگ آتے، مختلف مدت تک ٹھہرتے۔ کچھ چند دن تک ٹھہرتے کچھ چند مہینے اور کچھ سال دو سال یا اس سے زیادہ اور جب وہ رخصت ہوتے تو اُن میں سے ہر ایک کو نیا لباس پہنایا جاتا اور ایسے رخصت کیا جاتا کہ جیسے اسے بادشاہت عطا کر دی گئی ہے۔ کسان نے اپنے سے کہا۔ ''یہ عجیب بات ہے۔ میں نے ان میں سے ہر ایک سے زیادہ عرصہ اور زیادہ محنت سے خدمت کی ہے۔ لیکن مجھے

بدلے میں کچھ نہ دیا گیا۔ جبکہ یہ دوسرے سست اور نکمے تک کچھ نہ کچھ لے کر گئے ہیں۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ کچھ نہ کچھ کیا ہوتا ہے۔ لیکن یقیناً یہ کوئی بڑی اچھی اور شاندار چیز ہے'' پس ایک دن اس نے اپنے آپ کو تیار کیا اور بزرگ کی خدمت میں اپنا گلہ شکوہ بیان کر دیا۔ بزرگ نے اس کی بات سنی اور کہا۔ ''ضرور میں تم کو وہی کچھ دوں ۲ گا جو دوسروں کو یاد ہے۔'' اس کسان کو بھی نئے کپڑے پہنائے گئے اور ایک ذکر اس کے کان میں بتا دیا گیا۔ اور اس کو ہدایت کر دی گئی کہ اس ذکر کا ورد کرتے ہوئے دنیا میں جائو۔

کسان نے بزرگ کا ساتھ چھوڑا اور ورد کرتا مستقبل کے خوابوں میں گم چلا جاتا

ا۔ ولایت کی سند۔ معرفت کا اعزاز۔ ۲۔ ذکر خفی۔ ذکر بہ امر اللہ۔

تھا وہ اپنے خوش آئند خیالی خوابوں کی مستی میں ایسا تیز چلنے لگا کہ ایک پتھر سے اُسے ٹھوکر لگی اور گر گیا۔ درد کی تکلیف میں اُس کے سب خیالات گم ہو گئے۔ پھر بھی وہ اٹھا اور اپنے ہی سے ''پیر اور پتھر' پیر اور پتھر'' کا ورد کرتا رہا۔ اسے یہ بھی احساس نہ رہا کہ وہ ذکر بھول چکا ہے۔ ''پیر اور پتھر، پیر اور پتھر'' گنگناتا وہ چلتا رہا۔ کئی روز سفر کرنے کے بعد اُسے ایک دریا سے گزرنا پڑا۔ اُس نے دریا پر اپنا تولیہ بچھا دیا اور وہی ''پیر اور پتھر'' کا ورد کرتے ہوئے دریا پار کر گیا اور پھر وہی ''پیر اور پتھر' پیر اور پتھر'' ورد کرتے چلتا رہا چلتا رہا۔

کئی سال دشتِ نوردی کرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اس کی ملاقات ان ہی بزرگ سے ہوئی۔ وہ اپنے مریدوں سمیت کسی سفر پر جا رہے تھے یہ بھی ساتھ ہو گیا۔ راستے میں ایک دریا آیا بزرگ اور اُن کے مرید مشورہ کرنے لگے کہ دریا کو کیونکر عبور کیا جائے، یہ کسان بیچ میں بول پڑا کہ یہ کونسا مشکل کام ہے۔ اپنا اپنا تولیہ بچھائو اور ''پیر اور پتھر' پیر اور پتھر'' کہتے ہوئے دریا پار کر جائو۔ بزرگ نے اُسے غور سے دیکھا اور پوچھا کیا تم بے وقوف ہو جو ہم سب کو ڈبو دینا چاہتے ہو۔'' کسان نے کہا میرے ساتھ آئو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ پس وہ دریا کے قریب گیا اور دوسرے اس کے پیچھے چلے۔ انہوں نے اپنی اپنی تولیہ پانی پر پھیلا دی اور ''پیر اور پتھر'' کہتے یہ سب کے سب ۲ دریا پار کر گئے۔

اب اے طالب! فرض کر لو یہ کہانی درست ہے تو کیا یہ قوتِ ارادی تھی یا ورد کی طاقت تھی اور یا اس آدمی کے اپنے ورد پر یقین کی طاقت تھی جس سے وہ دریا کے اوپر چلا اور دوسروں کو بھی اپنی رہنمائی میں لے چلا۔

یہاں پھر میں تم سے یہی کہوں گا کہ یہ وہ دو دھاری تلوار[۳] ہے جو ایک

۱۔ اپنے وجود سے بھی بے نیاز ہو گیا۔ جب او جاپا دونوں چھوٹے۔ ذکر اور وردوں کی فہم اور غور بھیجا گیا۔ صرف مرشد کے حکم کی تعمیل رہ گئی۔ ۲۔ ایک سادہ لوح۔ صفر ہو جانے والے، وحدت کل میں آجانے والے کی بے جھجک تقلید بھی دشواری طے کرا دیتی ہے۔ ۳۔ ذکر، وہ دو دھاری تلوار ہے جو ظاہر باطن کے خس و خاشاک کو صاف کر دیتی ہے۔

طرف تو اپنے شکوک، جھجک اور زمانوں سے جمع شدہ کچرے اور جالوں کو کاٹتی ہے اور دوسری طرف اس دنیا کے سراب، وہم اور دل کشی کو کاٹ دیتی ہے۔ جسے ہم عالم وجود کہتے ہیں۔ لیکن تم پوچھو گے کہ یہ تلوار کیا ہے۔ تم نے یہ تو بہت کچھ بتا دیا کہ وہ کیا نہیں ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کیا ہے۔ رفتہ رفتہ میں تم کو یہ بھی بتا دوں گا۔

ذرا سی گریز معاف کرنا، اگر ایسی بات ہو، میں آپ کو ریاضی سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ریاضی جیسا تم جانتے ہو تما علوم میں سب سے زیادہ غیر ذاتی علم ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس لحاظ سے یہ مثالی علم ہے۔ آیئے ابتداء ہم جیومیٹری سے کرتے ہیں۔ اور جیومیٹری کی ابتداء نقطے[۱] کی تعریف سے ہوتی ہے۔ اور نقطے کی تعریف ہے کہ "جو کوئی جگہ نہیں گھیرتا" اب اسے طالب تم پوچھو گے کہ کیا کوئی ایسی بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے جو جگہ نہ گھیرے۔ تو میں کہوں گا، ہاں ٹھیک ہے۔ نقطہ ہی محض ایسی چیز ہے۔ اس کی پیمائش نہیں ہوتی۔ لیکن وہ ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اگر اُسے بڑھایا جائے تو وہ ایک سیدھی لکیر بن جاتا ہے۔ لکیر کو گھمائو تو دائرہ بن جائے گا۔ اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ گولہ کوئی جگہ نہیں گھیرتا یا اس کی حقیقت نہیں ہوتی۔ تم حیران ہو رہے ہو کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حقیقت ایک بے حقیقت چیز سے پیدا ہو، چونکہ تم ایک سیلانی آدمی ہو۔ اس لیے شاید یہ ساکن مثال تمہیں پسند نہ آئے میں تم کو ایک متحرک مثال دیتا ہوں۔ کمہار کے چاک[۲] پہیہ کی مثال لو۔ تم جتنا کیلی کے مرکز سے دور ہو گے اتنی ہی تمہاری رفتار زیادہ ہو گی۔ اس کے برعکس جتنا مرکز کے

نزدیک تم ہو گے اتنی ہی تمہاری رفتار کم ہو گی۔ یہاں تک کہ کیلی کے مرکز پر تمہاری رفتار صفر ہو جائے گی۔ کیوں ہے نا یہ عجیب بات کہ جب پہیہ نہایت تیز رفتاری سے گھوم رہا ہو تو اس کی کیلی ۳؎

۱۔ ذاتِ بے نشان۔ ۲۔ مرشد کا دست کرم۔ ۳۔ ذاتِ مرشد۔

جس پر وہ گھوم رہا ہے۔ ساکن ہے۔ اتفاق سے یہی مثال تقدیر کے پہیئے پر بھی ثابت آتی ہے۔ قانونِ قدرت کے پہیئے پر بھی اور دورانِ زندگی پر بھی۔ اگر تم اپنے آپ کو اپنے اندر سمیٹ لو اور اپنے نقطۂ ذات پر پہنچ جائو تو تم تقدیر، قانونِ قدرت یہاں تک کہ واقعات کے سیلابوں تک سے آزاد ہو جائو گے۔

یہ تو سب ٹھیک ہے مگر یہ مرکزی نقطہ کیا ہے۔ کیا یہ وہ ہے جسے تم ''میں ۱؎'' کہتے ہو۔ نہیں۔ 'میں' وہ نقطہ نہیں ہے اگرچہ وہ ۲؎ نقطہ ''میں'' کا مرکز بھی ہے۔ اور اصل مغز بھی۔

او طالب! ایک دفعہ میں چل پڑا اور ایک جشن کے جلوس میں شامل ہوا۔ جشن دیوتائوں کی شادی کا تھا۔ یہ شادی شیوا ۳؎ اور پاروتی ۴؎ کی تھی۔ پاورتی فطرت کے رحم مادر میں ہی چھپی تھی۔ لیکن شادی کی رضامندی دے دی تھی۔ گو کہ ابھی تک اُسے کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ جلوس اُس خاص مقام کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جہاں سے اُس نے دلہن کی رضامندی کی نشانی حاصل کر کے دولہا تک آنا تھا۔ یہ جلوس صبح کا چلا ہوا تھا اور میں اس میں شام کے وقت شامل ہوا جب وہ اس خاص مقام سے آکر دولہا کی رہائش گاہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے دور سے ایک سفید ہاتھی کو دیکھا جس کے اوپر ایک سنہری عماری میں تین آدمی ۵؎ ایک ہی قطار میں بیٹھے تھے۔ تینوں بہت بوڑھے تھے اور ہر ایک نے اپنے ہاتھ سیدھے میں ایک چاندی کا کٹورا پکڑا ہوا تھا۔ جسے بائیں ہاتھ سے ڈھانکا ہوا تھا۔ جلوس بہت لمبا تھا اور بہت شور بلند ہو رہا تھا۔ مختلف کرتب کرنے والوں کے گروہ کے گروہ تھے۔ تلوار بازوں کے گروہ اپنی تلوار سے اپنی مشاقی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ پہلوان اور دوڑوں میں حصہ لینے والے اپنے اپنے طاقتوں کے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ کچھ مسلح زرہ پوش سوار بھی تھے جو ایک

۱۔ انا۔ ۲۔ ذاتِ بے نشان۔ ۳۔ ہندو تثلیث کا تیسرا دیوتا۔ ضامن تخلیق انسانی۔ ۴۔ خداوند تخلیق کی زوج۔ ۵۔ ابدالی۔

دوسرے پر حملہ کر کے اپنی شان اور بہادری دکھا رہے تھے اور ان سب کے ساتھ موسیقاروں اور رقاصوں کے بھی گروہ در گروہ تھے۔ ہر ایک اپنی اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ جوں جوں شام ڈھلتی گئی تو جلوس کے دونوں طرف سے بہت شاندار اور چکاچوند کرنے والی آتش بازی کے بھی مظاہرے شروع ہو گئے۔ کچھ نقلی توپیں داغی جانے لگیں۔ ان کی گرج اور دھمک اپنی آنتوں[۱] میں محسوس ہوتی تھی۔ ان سب ہنگاموں سے گھبرا کر میں دولہا کی رہائش گاہ کی طرف چلا گیا۔

یہ منظر[۲] دیکھنے سے واقعی تعلق رکھتا تھا۔ کھلے حصے میں ایک بہت بڑی مسند پر وہ ایک جڑائو کرسی پر بیٹھے تھے۔ سفید بے داغ کپڑے زیب تن تھے اور گلے میں ایک گلابوں کا ہار تھا۔ سر کا پہناوا سب سے عجیب تھا وہ سبز ریشم کا ایک چوکور تھا جو کس کر ان کے سر پر ایسا بندھا تھا کہ اُن کے ماتھے اور دونوں کانوں کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ یہ کپڑا سونے کے تار کڑھے ہوئے تاروں اور پھولوں سے سجا تھا۔ اُن کا بایاں ہاتھ کرسی کے ہتھے پر رکھا تھا۔ اور داہنے ہاتھ میں وہ ایک گلاب کا پھول پکڑے ہوئے تھے۔ جیسے وہ بار بار سونگھتے تھے اور ان کی کلائیوں میں بھی چنبیلی کے گجرے تھے۔ میں قریب آتے جانے والے جلوس سے ڈرا ہوا تھا اس لیے ان کی کرسی کے ایک پائوں کو تھام کر کھڑا ہو گیا اور کچھ تسلی ہو گئی۔

جلوس پہنچ گیا سب سے آگے ایک سفید[۳] ہاتھی تھا۔ ہاتھی جھکا اور اس نے اپنی سونڈ سے نہایت ادب کے ساتھ سلام کیا۔ کسی نے بڑھ کر اُن تینوں بزرگوں کو خوش آمدید کہا اور اُنہیں ایک ہجرے میں لے گئے۔

دولہا اپنی کرسی پر بیٹھے رہے تماشا کرنے والی ہر ٹولی ان کے سامنے کھلے میدان میں اس قدر جوش اور ولولہ سے اپنا ہنر اور کرتب دکھاتی کہ معلوم ہوتا جیسے ہر ایک کے اندر

۱۔ اپنے ارتقائے روحانی سے متعلق۔ ۲۔ صاحب وقت کی تقریب عروسی۔ ۳۔ صاحب وقت کی روحانی سواری۔

دس نئی زندگیاں بھر دی گئی ہوں۔ یہاں وہ چڑھاوے چڑھے کہ بیان مشکل ہے۔ ہر قسم کے پھول اتنے کہ اگر ڈھیر لگ جائیں تو ہاتھی تک دفن ہو جائے۔ دنیا کی تقریباً ہر قسم' موسم بے موسم پھل تھے۔ جنہیں دیکھ کر تعجب بھی ہوتا تھا اور طبیعت بھی خوش ہوتی تھی۔ قیمتی اور پسند آنے والے کپڑے بھی تھے، ترکاریاں بھی، غلہ بھی، مصالحے بھی ور چھکڑہ بھرے عمدہ کھانے جو تمام وہاں آنے والوں کی خوراک کے لیے کافی تھے۔

دولہا ایک عالم محویت میں تھے کہ جب وہ بولتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگرچہ ان تمام زبردست مظاہروں اور شان وشوکت کو وہ پسند کر رہے ہیں۔ لیکن اُن کا ذہن کسی اور جگہ ہے۔ ۱؎

اب تقریباً آدھی رات کا وقت ہو گا اور جلوس والے گروہ در گروہ واپس جا رہے تھے۔ یہ چاند کی دوسری تاریخ تھی۔ چاند میں ایک خاص ناز کی تھی جیسے کسی الٹھر دوشیزہ کے جذبات ہوں۔ میں نے اس کی ایک جھلک سورج غروب ہوتے وقت دیکھی تھی۔ جب وہ ۲؎ سورج کی رفاقت میں اُفق کے پار غائب ہو گیا تھا۔ دولہا تھکن کے باوجود نہایت ہی پھرتیلے قدموں کے ساتھ مسند کی سیڑھیوں سے اترے اور حجرے میں چلے گئے۔ دروازہ بند ہو گیا۔ میں مسند کی طرف واپس آ گیا۔ موسیقاروں کی موسیقی، طبلچیوں کی تھاپیں اور رقاصائوں کا رقص اب وہاں نہیں تھا۔ اگرچہ یہ انتہائی قسم کا ایک عظیم دن تھا۔ لیکن میرے دل پر گہری بوجھل سی اُداسی ۳؎ چھانے لگی تھی۔ میں چلتا ہوا دربار ہال پہنچا۔ جہاں مجھے دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ بہت سے وحشتناک فقرا ۴؎ ایک دائرے میں کھڑے عجیب تال میں اپنے دف بجا رہے ہیں اور تال کے ساتھ ساتھ جھوم رہے ہیں۔ ان کے لانبے الجھے بال کاندھوں اور چہرے پر اُچھلتے اور بکھرتے، تھے پھر بھی مجھے اُن کی آنکھوں میں وہ دھوئیں والی مشعلوں کا عکس دکھائی دے رہا تھا جن سے

۱۔ غم انسانیت۔ ۲۔ مظہر حق۔ ۳۔ روح میں جاگزیں غم انسانیت۔ ۴۔ ملنگ رفعی فقیر۔

ہال روشن تھا اُن کی چمک اُن کے چہرے اچھلتے اور بکھرتے بالوں سے گزرتی ہوئی آنکھوں تک پہنچ رہی تھی۔ میں ایک اندھیرے کونے میں بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ یہ محسوس کرتے ہی میں بے چین ہو گیا کہ میرا دل ہُو بہ ہُو اِن کے دف کی تھاپ پر دھڑک ۱؎ رہا تھا۔ تال تیز سے تیز تر ہوتی

چلی گئی۔ فقیروں نے اس تال کے ساتھ ایک مجنونانہ رقص شروع کر دیا تھا۔ اُن کے پیروں میں پڑی ہوئی زنجیریں جھنکار دے رہی تھیں اور اِن کی آواز میرے دل کو ایک تیز چاقو کے یکایک وار کی طرح کاٹ رہی تھی۔ جیسے کہ یہی کچھ کم نہ تھا۔ اور انہوں نے ساتھ ساتھ ایک ذکر ۲ کا ورد شروع کر دیا۔ یہ ایک اجنبی زبان میں تھا۔ لیکن ایک ایک لفظ اور مجموعی طور پر مطلب اور معنی امیری گرفت میں آ گئے تھے۔ وہ اِسی ورد کو بار بار دھراتے گئے اور ہر دُہرانا ایک بھاری ہتھوڑے کی مکمل ضرب کا اثر رکھتا تھا جو میرے دل کو پیستا، دباتا، مروڑتا اور جھنجھوڑتا، نچوڑتا تھا۔ میں کوشش کر کے اس سے باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ تال نے مجھے فرصت ہی نہ دی۔ میں کم از کم آنسوئوں کے سیلاب میں پھٹ پڑنا چاہتا تھا۔ لیکن میری آنکھیں جل رہی تھیں، میرا حلق اور زبان نہایت خشک ہو چکے تھے اور سوکھی کھال کی طرح اکڑ گئے تھے۔ اور میرا سانس... زندگی کے لیے مجھے اکھڑا دم سنبھالنا دشوار تھا۔

بھائی میں تمہیں اس آدمی کے احساسات کیا بیان کروں جبکہ وہ پوری طرح زندہ سلامت جسم کے ساتھ آگ کی ایک بہت بڑی چتا ۳ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ گوشت کا ہلکا ہلکا بھننا اعضاء کی اکڑن اور مروڑ۔ سانس لینے کے لیے صرف شعلے اور دہکتے انگارے جنہوں نے پہلے ہی کھا کر آنتوں میں راستہ بنا لیا ہے۔

۱۔ وحدتِ کیف ازل میں آ گیا تھا۔ ۲۔ لا الہ الا اللہ۔ ۳۔ مردہ لاشوں کو جلانے کے لیے، آگ سے بھڑکتی لکڑیاں۔

بھائی یہ کوئی خیال تصور نہیں۔ بس زبان میں اتنی وسعت نہیں ہے جو یہ بیان کر سکے ۱ کہ فنا کی آگ سے گزر بنانے کا کیا مطلب ہے۔ یا میں بے ہوش ہو گیا ہوں گا یا مر چکا ہوں گا۔ مجھے معلوم نہیں۔

علی الصبح میری آنکھ شہنائی کے ایک ہلکے سے نغمے پر کھلی یہ آواز جیسے دور بہت ہی دور سے آ رہی ہو اور اتنی تنہائی اتنی سخت تنہائیاں والی معلوم ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ قطبین کے وسیع برفانی راہگزاروں سے آ رہی ہو... میرے اندر موسیقی قطرہ قطرہ کر کے سرایت کرتی گئی اور میں زندگی کو واپس آتا محسوس کرنے لگا۔ جب بہت دیر کے بعد میں، مجھے محسوس ہوا کہ میں پوری طرح

بیدار ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں ایک خالی ۲؎ بانسری ہوں اور میرے اندر کوئی گرم اور میٹھی سانس ۳؎ بھری جا رہی ہے۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ میں کہاں ہوں اور مجھ پر کیا ہو گزرا ہے۔ میرا پرانا دوست سپاہی ۴؎ میری طرف ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ آیا۔ اُس نے مجھے بہت فرحت بخش شربت ۵؎ کا گلاس دیا جو میں آہستہ آہستہ چوس کر پی گیا۔ پھر اُس نے مجھے بہت بڑی دعوت میں شرکت کے لیے تیار ہونے کے لیے کہا جس میں ہر ایک بلایا گیا ہے۔ میں اٹھ گیا۔ دعوت ۶؎ میں جاتے ہوئے راستہ میں مجھے وہ سفید ہاتھی ایک بڑ کے درخت کے نیچے کھڑا نظر آیا اور اپنی سونڈ کی مدد سے بڑ کے کچھ پتے اور ٹہنیاں توڑ توڑ کر آہستہ آہستہ چبا رہا تھا۔ میں اس کی نشیلی آنکھوں سے کھینچتا ہوا نزدیک چلا گیا۔ بھائی تم نے کسی عورت کی بڑی اور بوجھل آنکھیں تو دیکھی ہوں گی۔ جو محبت کی بہترین شراب پی کر مخمور ہوں۔ تم نے چشم آہو کی شرمیلی نشہ کی مستی یا نرگس کے پھول کا رُلا دینے والا نشیلا پن دیکھا ہو گا۔ مگر بھائی میں تمہیں بیان نہیں کر سکتا جس قسم

۱۔ فنائے وجود۔ لاالہٰ۔ ۲۔ کھوکھلا وجود۔ ۳۔ الا اللہ۔ ۴۔ رحمت کا فرشتہ۔ ۵۔ جامِ شہادتِ خفی۔ ۶۔ نشانیٔ وحدتِ شوق و شادمانی۔

اور نوعیت کی شراب کا ہاتھی کی آنکھوں میں ظہور ہے۔ اُس میں اُداسی ہے افسوس نہیں ہے۔ اُس میں یادیں ہیں پچھتاوا نہیں ہے۔ اُس میں اُمید ہے لیکن خواب نہیں ہے اُس میں سکون سے بلند ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے یہ ہاتھی ۱؎ دولہا کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جب بھی اپنی رہائش گاہ سے ۲؎ باہر آئے اسے استعمال کرے۔

میں نے ان تینوں بزرگوں کو پھر کبھی نہیں دیکھا۔ لیکن دولہا سے ناشتہ پر ملاقات ہوئی اُس نے شفقت کے ساتھ ہم سب کو ایک ایک ہار پہنایا اور ناشتہ کے بعد اپنے ساتھ دعوت اور جشن میں شرکت کی دعوت دی۔ جو پھر شروع ہو گیا تھا۔ تمام وقت، سورج کے نصف النہار پر آجانے تک نہایت عمدہ مسحور کن دھنیں شہنائی ۴؎ پر بجتی رہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ ہمارے آس پاس ہو رہا ہے وہ سب کچھ شہنائی کی دھنوں کے موضوع کے مطابق ہو رہا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ شہنائی نواز ایک نوجوان ہے جس کے والدین اس وقت انتقال کر گئے جب وہ گود کا بچہ ہی تھا۔ ایک

یتیم ۵ جس کو ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت نہ ملی اس نے اپنے ماحول کی سخت اور بے رحم غفلتیں برداشت کی تھیں وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ جس کے پاس وہ جاسکتا اور جس کی گود میں اپنے ننھے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وہ سر رکھ کر رو دیتا۔ وہ ایک تنہا لڑکا تھا۔ لیکن خود غرض دنیا کے ظلم و ستم نے اسے تلخ اور سخت گیر بنانے کے بجائے اور زیادہ پیارا بنا دیا تھا اور اِن حالات میں اُس نے شہنائی بجانی سیکھی۔ جب وہ شہنائی بجاتا تو اِس کی روح شہنائی سے پھوٹنے والے

۱۔ روحانی سواری۔ ۲۔ محبوبیت سے رحمت کی جانب۔ ۳۔ ابدالِ حق۔ ۴۔ پاک کئے ہوئے جسم کی نشانی جس میں سے توحید حیات غم انسانیت کا نغمہ نکلتا ہے۔
۵۔ درِ یتیمؑ کی نشانی۔

نغموں میں سوز ا بن کر اُتر آتی اس میں ایک آرزو تھی اور ایک محبت جو شکوئوں اور خواہشوں کو عبور کر چکی تھی۔

اے بھائی! اُسکے اکیلے پن کے نشیلے سُر میرے دل میں دہکتی ہوئی سلاخوں کی طرح چبھ گئے جس سے اس میں بہت سے چھید ہو گئے اور میں نے اِن چھیدوں پر اپنی انگلیاں رکھ دیں تا کہ دل کو خوں بہنے سے بچائوں۔ پھر بھی اندر کی زندگی کی تڑپ کہیں کہیں سے انگلیوں کو اٹھا دیتی اور نغمے، اکیلے پن کے مغموم نغمے یہاں سے بہہ نکلتے۔

اس طرح میں نے سات دن سات راتیں گزار دیں ۲۔ ہر روز پہلے سے زیادہ تقویت ملتی ہے اور توانائی محسوس کرتا اور ہر روز ایسا محسوس کہ کچھ چھن گیا ہے۔ کچھ جو میں نہیں ہوں۔ اور ہر روز ایسا محسوس ہوتا کہ کچھ اضافہ ہو گیا ہے۔ کچھ 'جو میں نہیں ہوں۔ ساتویں ۳ رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا، میں لنکا میں ہوں اور پہاڑی علاقے میں سینکڑوں میل کا جنگل میں نے عبور کیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک بہت نمایاں پہاڑی پر پہنچا ہوں جس کے اطراف بہت سخت ڈھلانیں ہیں۔ اور اس کے گرد گھومتی ہوئی سیڑھی ہے۔ میں سیڑھی پر چڑھتا ہوں اور چوٹی پر پہنچ جاتا ہوں۔ چوٹی کی سطح ہموار ہے اور سراسر پتھر کی ہے۔ درمیان میں دو بہت بڑے نقش ۴ پا دیکھتا ہوں۔ انسانوں

کے سے لیکن ہر ایک ڈیڑھ دو فٹ لمبا۔ میں نے جھک کر قدموں کے نشانوں کو بوسہ دیا۔ جب میں اٹھا تو میں نے دیکھا کہ نقش پا صرف نقش پا، پتھر سے بھی اوپر اٹھتے ہیں اور ایک خاص سمت چل دیتے ہیں۔ میں ان کے پیچھے چل پڑتا ہوں اور بہت کافی عرصے تک یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں اُس نقش پا کے ساتھ ہوا میں تیر رہا ہوں۔ رات کا وقت تھا۔ آسمان پر چاند نہیں تھا۔ لیکن تارے چمک رہے

ا۔ غم انسانیت کا درد و سوز۔ ۲۔ دُر یتیمی اور غم انسانیت کی روح پر واردات۔ ۳۔ غم انسانیت جان گزین ہونے کے طفیل۔ ۴۔ آدمؑ کے پیروں کے نشان۔

تھے۔ نقش پا بالآخر زمین پر اُترے اور ایک کے پیچھے ایک چلتے گئے۔ جیسے کوئی انسان چل رہا ہو۔ جسے میں دیکھ نہ سکتا تھا۔ دھیمی روشنی میں بھی جب میں نے غور سے نقش دیکھے تو ایک پیر میں سنکھ ۱ تھا اور دوسرے میں چکرم ۲۔ آگے مٹی بہت ملائم اور گرد آلود تھی۔ میں نے دیکھا کہ جیسے ہی نقش بنتا تھا تو پیروں کے نشان سے گرد اٹھتی تھی اور گرد کا ہر ذرہ روشن ہو جاتا، آسمان کی طرف اڑ جاتا اور ستارہ بن جاتا۔ میں پیچھے چلتا گیا اور نقش پا مجھے کالے معکب پتھر تک لے گئے جو پہاڑوں کے درمیان ایک ڈھلان پر گھنے درختوں کے جھنڈ میں چھپا تھا۔ میں پتھر پر چڑھ گیا اور شمال کی جانب رُخ کر کے بہت دیر، بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ مجھے ہلکی خنکی محسوس ہوئی تو میں نے آنکھیں کھولیں۔ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میں واقعی ایک مکعب چٹان پر بیٹھا ہوں۔ جو پہاڑوں میں گھنے جنگل کے بیچ میں ہے۔ میں سمجھا مجھے سوتے میں جاگنے کی بیماری ہو گی۔ اور میں سوتے میں چلتا رہا ہوں۔ لیکن میں بڑے شُبہ میں پڑ گیا۔ جب میں نے اپنے پرانے دوست سپاہی کو دیکھا جو کھانا اور پانی کا جگ لیے میرے پاس آیا۔ میں نے اُس سے پوچھا۔ تمہیں میری یہاں موجودگی کا علم کیسے ہوا۔ اُس نے مسکرا کر کہا۔ ”ہر راستہ شہر روم ۳ تک پہنچاتا ہے اور اُن لوگوں کے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے جو بہک نہ جائیں۔“ وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ میں اس وقت تک ٹھہرا رہا جب تک سورج ۴ کی گرمی میرے لیے بہت تیز ہو گئی۔ اور اپنی جگہ لوٹ آیا۔

اے طالب! میں تم کو وہ نقطہ بتا رہا تھا جو حقیقت ۵ کا مرکز ہے۔ "میں ۶" زیادہ سے زیادہ ایک صفر ہے اور اسے ایسا ہونا ہی چاہیئے۔ جب یہ مکمل صفر کسی انفرادی حقیقت کے ساتھ جڑتا ہے تو ساری چیز حقیقی ہو جاتی ہے۔ صفر کا بے حقیقت وجود اس کی بڑھائی

۱۔ دین کی نشانی دائیں پیر میں۔ ۲۔ دنیا کی نشانی بائیں پیر میں۔ ۳۔ ایک ہی مقام یعنی حق تک۔ ۴۔ شمس حقیقت۔ ۵۔ انائے مطلق۔ ۶۔ انائے انفرادی۔

میں دس گنا اضافہ بن جاتا ہے جس سے تم منسلک ہو اور طالب یقین کرو "میں" صرف ایک ہی ہے۔ جیسے ایک ہی لامحدود ہے۔ اس ایک کے علاوہ کچھ نہیں اور سب "ایک" ہے۔

انسان ازل سے حق کی تلاش، خدا کی تلاش میں ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں خدا نامعلوم ہے اور اسے کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ اس لیے اے انسان اس انسان کامل کو تلاش کر جو معلوم ہے جسے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس کی ذات کے نقطے پر تم جیومیٹری تعمیر کر سکتے ہو۔

اور کائنات کا نظام ترتیب دے سکتے ہو۔ تم اس رسی کے بل بوتے پر جس نے تمہیں اُس ذات سے پیوستہ کر رکھا ہے۔ ساتویں آسمان تک چڑھ سکتے ہو اور خوشی خوشی اِس راستے پر چل سکتے ہو۔ جو بال سے بھی باریک اور تلوار کی دھار سے تیز ہے۔ ایک مرتبہ اگر "وہ ۱" ہاتھ لگ جائے تو پھر کوئی ناکامی کوئی غلطی یا پیچھے مڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک کیف انبساط میں آسمانوں کی تمام شانیں تمہارے سینے سے اُبلتی ہوئی تمام ناحق کو کچلتے ہوئے۔ زوال پذیری کے جھاڑ جھنکار کو کاٹتے ہوئے، تم اس تک بڑھتے چلے جاتے ہو۔ جو حق ہے۔

خضر من۔ شاد باد، زندہ باد۔ پائندہ باد

باب سوئم

صوت سرمدی

ہیرے کی کانوں والی پہاڑی سے واپس اترتے ۲؎ وقت میں چاہتا تھا کہ وادی میں کچھ دیر آرام کر لوں۔ لیکن عجیب وادی تھی کہ اس میں نہ تو کوئی درخت تھے نہ ندی نالے کے نشان۔ پھر بھی میں ستانے کے لیے لیٹ گیا۔ مجھے یاد نہیں میں سویا

۱۔ نسبت شیخ۔ ۲۔ تنہا سفر کی ابتداء۔

یا یوں ہی آرام و اطمینان سے لیٹا رہا۔ موسم بدلا۔ ہر طرف خوبصورت نیچے بادل پھیل گئے۔ ہلکی ہلکی پھوار شروع ہو گئی۔ ٹھنڈی تازہ ہوائیں۔ میرے سینے میں ایک عجیب سی خوشی پیدا کرنے لگیں۔

پھر خواب کے سے عالم میں مجھے مرغ کے ۱؎ اذان دینے کی آواز آئی۔ اُس نے میرے بہت نزدیک آواز لگائی۔ میں خوش خوش لیٹا سستاتا رہا کہ مرغ نے بالکل میرے کان میں نہایت ہی تیز آواز لگائی۔ میں اچھل پڑا اور بغیر سوچے سمجھے میں نے اس مرغ کی ٹانگ پکڑ لی۔ یہ بہت بڑا پرندہ تھا۔ خوبصورت چمکیلے پروں والا اور اس کے سر پر بڑی سی کلغی تھی۔ میں نے اس کی ٹانگیں اپنی زنار سے باندھ دیں۔ کیونکہ اس وقت یہی ڈوری میرے ہاتھ آ سکی۔ میں سوچتا رہا کہ اتنے عمدہ پرندے کے ساتھ کیا کروں۔

مجھے ایسا لگا کہ یہ وادی سر سُوتی ۲؎ دیوی کی ہے اور میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس مرغ ۳؎ کو اس حسین دیوی کی بھینٹ چڑھا دوں۔ چنانچہ میں بائیں ہاتھ میں مرغ اور دائیں ہاتھ میں عصا تھامے چلتا رہا۔ جیسے جیسے اس وادی میں نیچے اترتا گیا میں نے سبزے کے آثار دیکھے۔ یہاں تک کہ میں گھنے ۴؎ جنگل میں پہنچ گیا۔ یہ جنگل اتنا گھنا تھا کہ اس سے گزرنا محال تھا۔ اس لئے میں نے مرغ کو کمر بند کے ساتھ باندھا اور ایک درخت پر چڑھ گیا۔ یہاں بہت ساری بیلیں ۵؎ تھیں جن سے عجیب قسم کے پھل نکلے ہوئے تھے۔ ان بیلوں کی مدد سے میں ایک درخت سے دوسرے درخت تک جھولتا گیا۔ جنگل پار کر گیا اور عجیب بات ہے کہ جب زمین پر اترا تو میرے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک کاشی ۶؎ پھل تھا۔ جسے میں نے ڈنٹھل سے پکڑ

۱۔ اپنا ارتقاء پذیر باطن جو مرغ بکری اور پھر دوسری شکلوں میں تبدیل ہوتا ہے پھر خوبصورت انسانی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ حیاتِ نو میں جاگ اٹھنے کی آذان۔ ۲۔ علم و ہنر کا فرشتہ۔ ۳۔ لطیفۂ نفس۔ ۴۔ جمع شدہ علم۔ ۵۔ مقدس کتابوں کی آئیتں۔ ۶۔ زہد و طریقت کے پھل۔

رکھا تھا میرے داہنے ہاتھ میں سنہرا[۱] پھل تھا۔ بائیں ہاتھ والے پھل میں چاندی[۲] کی سی چمک تھی۔ چاندی کی رنگت والے پھل کو میں نے دل کے پاس باندھ لیا اور سنہری رنگت والے کو بالوں میں، لیکن وہ بار بار لڑھک کر ماتھے پر ٹک جاتا تھا اور دوسری دو آنکھوں کے راستے میں رکاوٹ بنتا تھا۔ یوں میں چلتا گیا اور بہت سارے صاف، پاک سبزہ زاروں اور خوبصورتی سے لگائے۔ باغوں[۳] سے گزر کر وہاں دُور، میں نے موتیوں کے گنبدوں[۴] والا شہر دیکھا۔

یہاں گنبد تھے، گرجا تھے، پگوڈا اور اسٹوپا تھے اور ہر قسم کی عمارتیں تھیں۔ یہ سب موتیوں سے بنی ہوئی تھیں۔ ہر نازک رنگ کے موتی تھے۔ گلاب جیسی گلابی والے۔ چینی قوم کی سی زردی والے خواب سی کیفیت میں نظر آنیوالے، ماہتابی رنگ کے، نیلے الماسی اور کچھ اُس سیاہ ریشمی[۵] نقاب کی طرح نظر آرہے تھے۔ جو نہایت حسین سفید چہرہ کو ڈھانکے ہوتی ہے۔

اس شہر میں داخل ہونے کا کوئی دروازہ نہ تھا اور ہر تعمیر اتنی مکمل تھی کہ ہر ایک کے پاس سے گزرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوتا کہ یہی دیوی کا آستانہ[۶] ہے۔ جب میں ذرا اور آگے بڑھا تو ایک کھلے صحن میں داخل ہو گیا۔ جہاں بیچ میں ایک سنگ مرمر کا ستون تھا۔ جس پر چاندنی کی کنجیوں[۷] کا گچھار کھا تھا۔ میں نے گچھا اٹھا کر پیٹی میں اُڑس لیا اور جیسے ہی میں نے یہ کیا مجھے مرغ کا خیال آیا جو ابھی تک وہاں لٹکا ہوا تھا۔ اس لیے میں نے بڑی عقیدت کے ساتھ مرغ کو دیوی کے آستانہ پر قربان[۸] کر دیا۔ لال سرخ کے فوارے نکلے اور وہاں ایک چھوٹا سا تالاب بن گیا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ چھوٹا سا تالاب بڑھ کر ایک جھیل بن گیا۔ جس میں شیشے کی طرح شفاف[۹] پانی تھا۔ اس جھیل میں مجھے دوسری طرف والے شہر کے عکس نظر آرہے تھے۔

۱۔ جلالی۔ ۲۔ جمالی۔ ۳۔ علم و ہنر کے شاہ پارے۔ ۴۔ مختلف مذاہب اور فلسفیوں کی اپنی اپنی حسین مزین دنیائیں۔ ۵۔ حرم ذات کی نقاب۔ ۶۔ علم الیقین۔ ۷۔ اپنے باطن کے دروازے کھولنے کی چابیاں۔ ۸۔ لطیفۂ نفس کو علم و ہنر کی راہ پر قربان کر دیا۔ ۹۔ نورِ عقل و دانش۔

میں نے کپڑے اُتار دیئے اور پانی میں اتر کر دوسری جانب تیرنا چاہتا تھا لیکن میرے قدم جیسے کسی نے مضبوطی سے پکڑ لیے ہوں۔ میں نے جھک کر دیکھا تو حیرت ہوئی کہ یہ لکشمی ۱؎ تھی جس نے مجھے نیچے پکڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر سونے کی سی تیز چمک تھی۔ اور اس کے جسم سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ میں نے عصا اٹھا کر اُسے خوب پیٹنا چاہا لیکن عصا ۲؎ میرے ہاتھ سے پھیل کر پانی میں گر پڑا اور ایک بہت بڑے کالے ناگ میں تبدیل ہو گیا جو میری طرف اپنا بڑا پھن اٹھائے بڑھنے لگا اور لکشمی کو نگل گیا۔ اس لیے افسوس تو ہوا لیکن بہر حال میں پانی میں اُتر گیا۔ پانی یخ ٹھنڈا تھا اور میں غوطہ لگانے سے کانپ رہا تھا۔ سانپ نے مجھ سے کہا۔ ”تم ہاتھوں اور پیروں کی مدد سے نہیں تیر سکتے تم صرف ریڑھ ۳؎ کی ہڈی کے ذریعے تیر سکتے ہو۔ اور صرف مچھلیاں ۴؎ ہی ایسا کرتی ہیں۔ جہاں تم نے مرغ کو بھینٹ چڑھایا تھا وہاں واپس جائو وہاں تمہیں خوبصورت داڑھی والا ایک بکرا ۵؎ کھڑا ملے گا۔ اس کی گردن کے گرد زنار ۶؎ کو باندھ کر اُسے یہاں لے آئو۔ اُسے یہاں قربان کرو۔ اُس کا گوشت چیلوں کو کھلا دو اور اس کی آنتوں سے دُھنکنے کی دھنک بنائو۔ جو روٹی تم جمع کرتے رہے ہو اس میں سے چار ے بنو لے نکال کر ایک کپڑا بنو۔ اس کپڑے کو جھیل میں پھیلائو پھر جب تم اُسے بار کھینچو گے تو ایک بہت بڑی مچھلی ۸؎ آئے گی اور تمہیں نگل لے گی۔ بیچاری چھوٹی مچھلی۔ اور یوں تم دوسرے کنارے پہنچ جائو گے۔

بھائی تم جانتے ہو جب آنکھ کھلی تو میں جھیل کے دوسرے کنارے پر تھا۔ میں ایک پتھر کی بنی ہوئی مضبوط عمارت کی اوپر کی منزل پر ایک میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ضعیف دانا شخص مجھے دو سونے کے چمچوں سے کھلا رہا تھا۔ ہر ہاتھ میں اس نے ایک چمچہ پکڑا ہوا تھا۔

۱۔ دولت علم و دانش کے شوق کا فرشتہ۔ ۲۔ امر الٰہی کا عصائے موسوی۔ ۳۔ باطن۔ ۴۔ طالبانِ حق۔ ۵۔ ارتقائے باطن کی ایک اور کڑی۔ لطیفۂ نفس کہہ لو۔ ۶۔ نسبت ح کی نشانی۔ ۷۔ شہوت، غصہ، خواہش، غرور کو اپنے دُھنکے ہوئے وجود سے نکال دو۔ ۸۔ راہبر، اشارہ حضرت یونسؑ کے واقعہ کی جانب۔

بھائی تم نے اُس ۱؎ انار نگی کا کیا کیا' جو میں نے تم کو دی تھی یہ ذرا کٹھی ہے۔ لیکن پھر بھی کھالو اور جب تم تر و تازہ ہو جائو تم میں توانائی آجائے اور تمہاری آنکھوں میں بے خوابی کی وجہ سے جو چبھن پیدا ہوئی تھی وہ رفع ہو جائے تو پھر میں تمہیں اس کے بارے میں مزید بتائوں گا۔

نسخۂ کیمیا

اے طالب! اللہ اپنے عرش پر ہے اور زمین پر سب خیر ہے۔ پرانی یادوں سے زیادہ حقیقت اور کسی چیز میں نہیں ہے۔ کبھی تم کو کیمیا کا بہت شوق تھا۔ تاکہ تانبہ کو سونے میں تبدیل کر سکو تو وہ بھی تم کو بعد میں بتادوں گا۔ لیکن آج تمہیں وہ عظیم کیمیا بتادوں جو ایک مٹی ۲ کے ڈھیلے کو خالص سونے ۳ میں تبدیل کر دیتی ہے۔

قدرت کے تمام اوزاروں کی طرح یہ راز بھی اتنا سادہ ہے کہ تم ماننے سے انکار کرو گے، پھر بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ مجھ پر یقین رکھو اور آزما دیکھو۔ صرف تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ تیل، مرچیں اور ہلدی۔ ہاں یہ اتنا ہی سادہ ہے۔

”تیل“

اچھا اب مجھے ناریل ۴ کی کہانی سنانے دو۔ میں نے سب سے پہلے ناریل کو اُس وقت دیکھا۔ جب میں مندر میں گیا تھا۔ میں مندر میں اس لیے گیا تھا کہ یہ دیکھوں کہ دیوا کیزو پھولوں کے ساتھ بالآخر کیا ہوتا ہے۔ جن کا اگرچہ مجھے اُن کا لدے ہوئے اُن بے ہنگم درختوں پر بھرپور کھلنا ۵ بہت پسند تھا۔ لیکن مجھے وہ پھول اس وقت بہت زیادہ پسند آئے۔

ا۔ روحانی تصدیق کی نشانی۔ ۲۔ جسم انسانی۔ ۳۔ کندن نورانی۔ ۴۔ ہمہ جہت شخصیت، توحید کی نشانی۔ ۵۔ آغوش۔ ربوبیت میں۔

جب میں نے اُن کو تھالیوں میں سجا ہوا دیکھا۔ جب اُنہیں نارنجی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس کنیا ۱ جو خود ان پھولوں جیسی تھیں مندر میں پیش کرنے لے جا رہی تھیں وہ بھونڈا بد شکل سا پروہت ۲ بت کے پیروں میں ناریلوں کو ایسے توڑ رہا تھا جیسے اُن سے بدلہ لے رہا ہو۔ ہر دفعہ جب وہ ایک ناریل پتھر پر دے مارتا تو میرے سر پر زبردست دھچکا لگتا محسوس ہوتا۔ اور میں یہ سوچتا ہوا وہاں سے چل دیا کہ اس تمام معاملے کا تعلق کچھ نہ کچھ میرے سر سے ہے۔

اے بھائی! کیا تم جانتے ہو کہ جب ناریل کا بیرونی چھلکا اُتار دیا جاتا ہے تو اس کی سلیقہ سے ترشی ہوئی داڑھی ہوتی ہے۔ داڑھی پکڑ کر الٹا کر دو تو وہ گوپی ۳ کی طرح لگنے لگے گا۔ جس کے بال سر پر گُندے ہوتے ہیں۔ سچے پیار کی ادلتی بدلتی جھلان ایسی ہی ہے۔ ابھی تم باریش، پختہ فکر، پُر

اعتماد عاشق ہو، قبضہ جمانے والے، زور آور، چھا جانے والے، اپنا حکم منوانے والے، اپنی آغوش خوب لپیٹنے والے، دوسرے وقت میزان کے جھولنے کے ساتھ تم وہ محبت بن جاتے ہو جو اپنے کو سپرد کر دیتی ہے، بلاسوال، بلا جھجک کے، بغیر تکلف یا اشتیاق کے، جس میں خالص پاکیزگی اور وحدت ہے، جس میں ٹھنڈک ہے۔ اُس خلا کی مانند جو تخلیق سے پہلے تھی اور جب زندگی ختم ہو چکے گی تب بھی سمندر جیسی بھرپور ہو گی۔ ایک ان دیکھے 'میں' کے نصاب پر یہ میزان جھولتا ہے اور محبت کی حقیقت کا یہ لو صرف شعوری حصہ ہے جو مجھ پر اس وقت روشن ہوا جب پروہت نے ناریل پھوڑا۔

بھائی کیا تم جانتے ہو[۴] ناریل کی تین آنکھیں ہوتی ہیں۔ اُن میں سے ایک وہ ہے جس میں سے کونپل پھوٹتی ہے۔ اس کے اوپر ایک بہت پتلی جھلی ہوتی ہے اور باقی دو جس قدرے بڑی اور روشن ہوتی ہیں۔ اُن پر سخت چھلکے کا خول چڑھا ہوتا ہے

۱۔ لڑکیاں۔ ۲۔ پجاری پنڈت۔ ۳۔ پجارن لڑکی۔ ۴۔ توحید کی نشانی تیسری آنکھ، باطنی آنکھ۔

اور اور اگرچہ یہ عجیب سی بات ہو۔ مگر دیکھنے والی آنکھیں حقیقت میں اندھی ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ جو کچھ دیکھتی ہیں۔ ایک واہمہ ہوتا ہے۔ درمیانی آنکھ جو دونوں آنکھوں کے درمیان سے ذرا اوپر کو ہے۔ دراصل کنیا[۱] کی آنکھ ہے۔ اور جب تک وہ وہاں رہی تخلیق کی نگہدار تھی۔ لیکن کائنات کی عظیم جچی تلی چال میں یہ داڑھی والے انسان کو مل گئی اور اس وقت سے وہ منھ زور اور غارت گر بن گئی ہے۔ ان دیکھے "میں" کے نصاب کے گرد میزان کا لطیف سا جھکاؤ نہ صرف یہ کہ ایک علامت ہے، بلکہ لطیف حقیقت کا لازمی ذرہ بھی ہے اور مرکز یہ بھی۔ اور اسی لیے حقیقت نہ تو تخلیق ہے اور نہ ہی تباہی۔ بلکہ ان دونوں سے ماورا ہے۔ اور نصاب کے نقطہ میں ہی ہے۔

ناریل تو تم جانتے ہو۔ ریشہ دار غلاف، سخت خول، پھر اندرونی خول، پھر گودا اور پھر پانی، اگر ہو تب، نرم تازہ توڑیں تو اُس کے اندر کتنا لذیذ پانی ہوتا ہے۔ یہ خوراک بھی ہوتا ہے اور مشروب بھی۔ تقریباً امرت کی طرح۔ میں نے کہا تقریباً۔ کیونکہ دونوں میں کچھ مشابہت ہے۔ جس طرح حقیقت اور واہمہ میں ہمیشہ ہوتی ہے۔ خول کے اندر تمام طرف ایک بالائی کی سی تہہ بھی

ہوتی ہے۔ اُس جیسی کوئی اور غذا ۲؎ نہیں ہوتی۔ لیکن بھائی مجھ پر یقین کرو اسے پکنے دو جب یہ پک جائے تو اسے کسی بھولی بسری جگہ رکھ چھوڑو۔ سادھنہ ۳؎ ہاں ناریل سادھنا میں ہے۔ جب بھڑکتے جذبات کی آگ سنبھال کر جذب کر لی جائے اور وہ آہستہ آہستہ تمہارے سینے کی تسلی بخش حرارت بن جائے۔ جب تمہارے ارادے کی منصوبہ بنانے والی اور فاتح قوت سمٹ کر تمہاری آنکھوں کے نور میں سمو دیجائے اور جب خواہشات کے زمرد اور لال مٹی ۴؎ میں پھنک دیئے جائیں جو ان کا اصل مقام ہے۔

۱۔ لڑکی۔ کامل سپردگی کا مظہر جمال۔ ۲۔ شہوانی دلچسپی کی طرح۔ ۳۔ اعتکاف، مراقبہ
۴۔ فنائے جسم و نفس ہو جائے۔

تب ناریل کا امرت جیسا پانی مشعل حیات کا تیل بن جاتا ہے اور اس کے ہر رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔

لیکن کہانی یہاں ختم نہیں ہو جاتی۔ ناریل کے کھوپرے کو چرچراتے کولھو ۱؎ میں بید ردی سے ٹھونس دیا جاتا ہے۔ جس کو ایک آنکھوں سے پٹی ۲؎ بندھا بیل چلاتا ہے۔ جو گھومتا ہی رہتا ہے اور یوں پِس کر تیل نکال لیا جاتا ہے۔

نہیں کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی۔ اس تیل کو کٹورے ۳؎ میں ڈال دیا جاتا ہے جو اس بیچارے ناریل کا بیج گیا ہوتا ہے اور پھر تم کے ساتھ انتظار کرتے ہو۔ امید، اعتماد، اور یقین کے ساتھ ، کیونکہ یقیناً ایسا کوئی سورج غروب نہیں ہوا جو پھر طلوع نہ ہوا ہو۔

کہانی یہاں ختم ہو سکتی ہے۔ لیکن تم جاننے کے لیے شوق اور جوش میں ہو اس لیے تم کو مستقبل کا بھی بتاتا ہوں۔

حیات کا طلوع، حیات سے ہوا۔ روشنی ہی سے آئی۔ ایسا ہی قانون ہے۔ وہ دائمی تقدیر کا پہیہ جو پھیرتا ہی رہتا ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تمہارا تیل کتنا صاف اور پختہ ہے۔ تمہارا چراغ کتنا اچھا اور چمکایا ہوا ہے۔ جب تک کہ چراغ کو روشن نہ کیا جائے وہ واپس اس مٹی میں چلا

جائے گا۔ جہاں سے وہ ابدی گردش میں بر آمد ہوا تھا اور اس دن تک کے لیے جب کہ اُسے روشن کیا جائے گا۔

اس بے روشن چراغ کو اس شعلے[۴] کے پاس نہ لے جائو جو تمہیں چندھیا کر اندھا کر دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ آگ پکڑ جائے۔ نہیں یاد رکھو حق کے حصول کے لیے، حق اور صرف حق ہو جانے کے لیے تمہیں اِرتقاء کی شاہانہ چال کے ساتھ قدم ملا کر چلنا ہو گا۔ جہاں اس پیمانہ' وقت کی اربوں، کھربوں صدیوں۔ حق کی نگاہ میں ایک لمحہ سے زیادہ نہیں

۱۔ طالب کی مشقیں اور ریاضتیں۔ ۲۔ صرف انجام کی طرف نظر رکھنے والا، مرشد کا طریقہ کار۔ ۳۔ کھوکھلا جسم۔ ۴۔ شہوات نفس۔

ہوتیں۔ تم جتنا اونچا چڑھو گے اتنی ہی زیادہ احتیاط برتنی ہو گی کہ پھیل نہ جائو۔ اب تم اپنے وجود کے رگ وریشے سے بتی تیار کرو۔ اب تیل تمہارے ہر رگ ریشے میں سرایت نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ تمہارا وجود ہے جو حیات کے تیل میں تیر رہا ہے۔ اُس پدرانہ شفقت سے بھرپور ہاتھ تلاش کرو جو تم کو روشن کر دے اور آگے راہ نمائی کرے۔ جو تم کو ان آندھیوں، طوفانوں سے بچائے گا۔ جن کا مقابلہ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ اس چراغ پر دو چندر حمتیں ہیں۔ کیونکہ یہ نہ صرف خود کو روشن کرتا ہے۔ بلکہ بغیر امتیاز کے ان سب کو بھی روشن کرتا ہے جو اس کے دائرے میں آتے ہیں۔ بھائی میری بات کا یقین کرو اگرچہ میں بغیر دلیل اور حجت کے کہہ رہا ہوں کہ تم یہ دریافت کر کے خوشی سے پھولے نہیں سمائو گے۔ کہ تمہاری بتی تمہارے چراغ کے تیل میں نہیں تیر رہی بلکہ اُس حیات کا تیل کھینچ رہی ہے جو کہ مکان سے ماورا پھیلی ہے اور جو زمان اور بار بار زمان سے پرے بہت ہی پرے پھیلتی ہی جائے گی۔ ممکن ہے ایک دن، جیسا کہ ہونا ہی ہے۔ بتی جلتے ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ تار اور بناوٹ[۱] ہی ہے جو جل کر ختم ہو جائے گا، حیات کا تیل تو جاری ساری چیز ہے۔

اب بھائی تم کو پتہ چلا کہ اُس بڑی کیمیا کے لیے پہلا جزو "تیل" کس طرح حاصل کیا جاتا ہے۔

مرچیں

اوطالب! پچھلے بارہ سال سے اس تمام روئے زمین پر گھوم رہا ہوں۔ میں بارہ کے بارہ مقدس دریائوں میں نہا چکا ہوں اور تمام مقدس عبادت گاہوں پر حاضری دے چکا ہوں۔ جو بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیوں پر واقع ہے۔ یا پھر تنہا چھپے ہوئے

ا۔ وجودِ جسمانی۔

غاروں میں واقع ہیں جہاں اِنسان کا گزر مشکل ہے۔ میں نے اکثر اپنے آپ سے پوچھا ہے کہ ''میں کہاں جا رہا ہوں اور کس کی تلاش ہے۔'' اور جیسے کہ جواب میں بادلوں کی گھن گرج کہتی سنائی دیتی ہے ''انا الحق'' انا الحق'' اور کبھی ایک دل ہلا دینے والی ناقوس ۱ کی صدا دور کے مندر سے آتی ہے۔ میرا دل بوجھل تھا اور مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ تب میں بے تعلقی کے ساتھ بازار کی چہل پہل دیکھتا، جہاں سبزیاں، عورتیں، جانور اور کپڑا لایا جاتا اور بیچا جاتا۔ میں نے بہت سارے ۲ یاترا اور تہواروں کے جلوسوں کے مناظر دیکھے اور حیران تھا کہ آخر یہ لوگ کس چیز کے پیچھے لگے ہیں۔ اور کیوں خوشی منا رہے ہیں... پھر ایک صبح میں نے ۳ چرواہے کو دیکھا جو گائیں چرا رہا تھا اور ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا بانسری بجا رہا تھا۔ ایک محبت بھرا خوبصورت راگ میرے اندر پھونک ۴ دیا گیا۔ وہی راگ گایا اور ناچا ''رام نام ۵ بھاجورے، بھاجورے، بھاجورے'' راما ۶ وہ سورما جس نے اپنے طاقت ور ہاتھوں میں تیر کمان اٹھالی تھی۔ راما بادشاہوں کا بادشاہ۔ جس نے خوشی خوشی ستیا کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ جو ظہور پذیر کائنات کا پھول تھی۔ جو وہ زبردست دریا تھی جو تخلیق بھی کرتا ہے اور برداشت بھی کرتا ہے اور اپنے آپ کو نامعلوم میں گم کر دیا۔ رام جیسا رحمدل، تیر کمان اٹھاتا ہے۔ زندگی کے میدان میں قدم رکھتا ہے۔ جو دائمی جنگ ہے۔ وقت کے خلاف، تقدیر کے خلاف اور سب سے زیادہ خود اپنی ذات کے خلاف میں چلا اٹھتا ہوں۔'' آہم ۸ براہمن، آہم براہمن'' سرمستیٔ جنون میں ڈھلان سے نیچے کی طرف بھاگ پڑتا ہوں۔

میرے بالکل سامنے ایک بزرگ کھڑے تھے۔ ان کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں اور لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔ ان کی سانس تیز اور تیز چل رہی تھی۔ اور ننھے دو چھوٹی دھونکنیوں

۱۔ صوتِ سرمدی۔ ۲۔ مذہبی مقامات پر جانے کا سفر۔ ۳۔ کرشن کی نشانی۔ ۴۔ نفحت کی طرف اشارہ ۵۔ اللہ نام کا ورد کرو۔ ۶۔ رام چندر۔ ۷۔ کیف وحدت ہستی میں آ کر۔ ۸۔ میں حق ہوں۔ انا الحق

کی طرح کپکپا رہے تھے۔ ان کی دونوں مٹھیاں بند تھیں اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہیں اُن بزرگ کے پاس وہ راز ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔ بزرگ نے اپنا سیدھا ہاتھ کھولا' مجھے اس میں دو تازہ مرچیں نظر آئیں۔ ایک دوسرے سے بڑی تھیں۔ وہ مجھ سے کہنے لگے۔ ''ہو سکتا ہے تم نے پہلے ہی چکھی ہو۔ لیکن پھر بھی انہیں کھالو۔'' یہ کہہ کر وہ ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ میں دونوں مرچیں لیتا ہوں اور منھ میں رکھ کر چبانے لگتا ہوں۔

اُف! یہ غضب کی ہیں۔ اتنی زیادہ آگ اور تیز میں کہ جس نے ہمیشہ کیلوں اور دودھ پر گزارا کیا۔ اوہ! میرے لیے یہ بہت سخت تھا۔ میرے جسم میں سوئیاں چبھنے لگتی ہیں اور آنکھوں سے پانی اس طرح بہہ نکلتا ہے۔ جیسے دو کھلے نلکوں سے میرے ماتھے پر ٹھنڈا پسینہ ہے اور آہم براہمن کے نشہ کی ہوا نکال دی گی۔ وہ کھلی ہتھیلی اب بھی میرے سامنے ہے۔ جیسے مجھے روک رہی ہو اور اس میں مجھے اپنا عکس نظر آنے لگا۔ میں دیکھتا ہوں کہ میرا چہرہ سرخ تمتمایا ہوا ہے اور آنکھوں سے دریا بہہ رہے ہیں۔ میں ان عجیب سے بزرگ کا چہرہ دیکھنے لگا نہوں نے مجھے ایسی سخت خراب چیز کھانے کو دی تھی وہ اپنی دوسری مٹھی بھی کھول دیتے ہیں اور اس میں مینے دو بڑی سرخ مرچیں دیکھیں اور دوبارہ دیکھنے کے لیے بغیر رُکے میں اپنی جان بچا کر دوڑ پڑتا ہوں۔ میرا سر چکرا رہا ہوتا ہے اور اس تلخ جلن کا احساس میری آنتوں اور سارے وجود میں سرایت کر گیا ہوتا ہے۔

میرے سارے جسم کا ہر مسام یہاں تک کہ انگلیاں بھی جل رہی ہیں۔ جلن میری جلد تک پہنچی ہوئی ہے۔ لیکن تلخی میرے اندر رگوں اور شریانوں میں سلگ رہی ہے۔ پھر بھی ان احساسات سے کہیں زیادہ گہرائی میں اُس ٹھنڈک کا احساس ہو رہا ہے۔ جس نے میرے دل کی بے چینی کو اکم کر رکھا ہے۔ میں 'آہم براہمن' آہم براہمن' پکارنے لگا اور سر جھکا کر نیچے

۱۔ جرأت کامیابی پر۔

اترنے لگا۔ آس پاس کی پہاڑیاں صدائے بازگشت میں میری پکار دہرا رہی ہیں۔ آہم برہمن آہم برہمن ا۔

تیر کمان ۲ لے کر میں سنساریوں کے شہر میں داخل ہوتا ہوں۔ یہاں ہر طرف خود غرضی اور لالچ دیکھتا ہوں۔ ہر ایک 'میں' کے انداز میں رہتا ہے۔ 'میں' کے ہی انداز سے سوچتا ہے ۔ اور 'میں' کے ہی رنگ میں وہ مر جاتا ہے۔ خود غرضی کا ایسا نشہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کو دبا رہا ہے اور ہر ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتا ہے۔ باپ اور بیٹا، ماں، بچہ، میاں اور بیوی، استاد شاگرد، سب کے سب اس چھوٹی 'میں' کے ذلیل چھوٹے پن کی شان بڑھا رہے ہیں۔ واقعی طاقت ور کبھی ایذا رساں نہیں ہوتا۔ اور واقعی امیر کبھی کنجوس نہیں ہوتا۔ تمام تر چھوٹے پن کی خصوصیات رکھنے کے باوجود 'وہ اپنی 'میں' سے ایسے چمٹے ہوئے ہیں۔ جیسے گرد 'میلے انسان کے ساتھ چمٹتی ہے۔ آہنکار ۳ جو اُس 'میں' کی شان ہے۔ جس کی بڑائی کے سر پر انکساری کا تاج ہے۔ جس کی علمیّت میں بچے کی سی حیرت ہے۔ جس کی دانشمندی حقیقت کو جیسے کا تیسا قبول کرتی ہے اور جس کی فہم تمام سوجھ بوجھ سے بڑھ کر ہے۔ اس زبردست 'میں' کو سنساری کبھی اپنے میں بے نقاب کرنے کی اور اپنے پُرکشادہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس شاندار 'میں' کو جو صرف ایک ہے اور کوئی اس جیسا نہیں ہے، جیسا کہ دو لامحدود نہیں ہو سکتے۔ اس کی پہلی جھلک تمہیں اس وقت ملی تھی جبکہ جوانی کی صبح میں محبت نے اپنے نرم (پرچم) پھیلائے تھے۔ محبوبہ تر و تازہ، روشن، سبز ۴ کپڑوں میں تمہارے پاس آئی۔ لیکن تم نے اسے اپنے اندر جذب کرنے کی بجائے اپنے بٹن کے چھید کی زینت ۵ سمجھ لیا... جب اس وقت سے او سنساری ۶ زندگی کے ہر طوفان کے بعد جب

۱۔ میں حق ہوں انا الحق۔ ۲۔ عشق صادق کے ہتھیار لیکر دنیاداروں میں پہنچتا ہوں۔ ۳۔ سچی 'میں' خودی اپنا آپا۔ ۴۔ طریقت عشق۔ ۵۔ انا کی شان۔ ۶۔ دنیادار۔

بھی تھوڑا سکون ہوا تو اس عظیم 'میں' نے تمہارے دروازے پر ہلکی ہلکی دستک دی ہے۔ یہ اتنی وفادار رہی ہے کہ اس نے تمہیں کبھی نہیں چھوڑا۔ حالانکہ تم نے کئی بار اس کا گلا 'شراب' عورت اور گانوں سے گھونٹنے کی کوشش کی ہے۔ ستارے تم پر مہربان تھے۔ اسی لیے بدقسمتی نے تم کو اس نہ ختم ہونے والی کشاکش سے نجات دلائی۔ تم سے بچوں کی مسکراہٹیں، وہ آرام جو دولت دے سکتی ہے، وہ شانیں جو طاقت عطا کر سکتی ہے۔ یہاں تک کہ زندگی کا آخری سہارا تندرستی بھی تم سے

چھین لی گئی۔ تب کہیں تمہاری 'میں' نے ایک اندرونی دبائو سے، نہ کہ اپنی پسند سے اس چور کو تلاش کرنا شروع کیا جو تمہارے دروازے پر دستک دیتا رہا تھا۔

تب ہی کہیں اوسنیاسی[1] میں نے سوچا کہ بے لوث اور خلوصِ دل سے انسانیت کے دکھ درد بانٹنے، اور اپنی خودی اور ہوش کو قوم کی سطح پر اٹھانے اور اپنے پڑوسی کی تکلیفوں کو اپنی تکلیفیں بنا کے، وہ 'میں' اس انبساط میں آجائے گی جسے حق کہتے ہیں۔ اسی لیے اپنے کچھ نہ ہونے کو قائم رکھتے ہوئے 'میں بہت سے بادشاہوں اور سرداروں کے ساتھ رہا، اور حق بات کے لیے جنگ کرتا رہا۔ میں نے بہت سے مندر اور ادارے بنائے۔ جہاں ہزاروں کا گزر بسر ہوتا ہے، میں نے مظلوم کی حمایت کی اور بھای چارے کا پیغام اپنی پوری آواز کے ساتھ دیا۔ انسانیت کے اس بڑے ڈرامے میں 'میں اپنے آپ کو بھول چکا تھا اور اپنی تمام راتوں میں اکثر انسانیت کے گناہوں پر روتا رہا ہوں۔ لیکن ایک شفیق[2] ہاتھ ہمیشہ میرے دروازے پر دستک دیتا رہا اور پوچھتا رہا۔

او طالب! کدھر چلے، او طالب کدھر چلے۔ ایک دن اس ہاتھ نے مجھے زور سے جھنجھوڑ دیا۔ میں جاگ گیا اور میں نے اپنا سبز چولا، جو میں نے پہن رکھا تھا اتار پھینکا۔ بالآخر وہ ایک چولا ہی تو تھا۔ اس انانیت سے پاک محبت کو، اپنے میں جذب کرنے کی بجائے میں نے

۱۔ تارک الدنیا، دنیا سے کنارہ کش۔ ۲۔ عظیم 'میں'۔

اسے ان تمام برسوں ایک چولے کی طرح پہن رکھا تھا۔[1]

اے بھائی! پرانی، بھولی آگوں کی یادوں سے زیادہ کسی چیز کی حقیت نہیں ہے۔ ''اللہ اپنے عرش پر ہے اور زمین پر سب خیر ہی خیر ہے۔''

او سادھو! تم نے محبت کا کڑوا زہر دو دفعہ[2] چکھا ہے۔ اور اپنے کو فنا کے لیے پیش کیا ہے۔ اُن بزرگ کے پاس واپس جائو۔ ہمت سے دل کڑا کر کے باقی دو[3] سرخ مرچیں بھی چبا جائو۔ تب تمہیں 'آہم'[4] کا مطلب معلوم ہو گا اور نہ بھولو کہ جاننا ہو جانا ہے۔

بھائی! تم بھوکے معلوم ہوتے ہو۔ لو یہ چار[5] کیلے ہیں' ان کو کھالو اور تازہ دم ہو جائو۔ پھر میں تم کو راز کی بات بتائوں گا۔

بھائی! سائنسدان اور سنساری ۶، خارجی حقیقت کی بات کرتے ہیں۔ ''ہمیں ایسا آدمی دکھائو جو آگ میں اُنگلی رکھ دے اور وہ نہ جلے یہ اور بات ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ہپناٹائز کر لیا ہو اور اُسے محسوس نہ ہو۔ بات یہ نہیں ہے۔ بلکہ آگ اس کی انگلی کو نہ جلائے نہ جھلسائے یا پھر جب درویش کہے کہ خدا کے علاوہ کسی اور شے کا وجود نہیں ہے تو پھر ایسا درویش دکھادو جو سامنے کی دیوار سے گزر جائے۔ جو واقعی خدا نہیں ہے۔'' میں اُن سے کہتا ہوں کہ مردِ حق خارجی طور پر بھی جوہر فطرت سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ قانون فطرت کی خلاف ورزی سے نفرت کرتا ہے۔ انسانی تاریخ میں بہت سارے پیغمبروں اور ریشوں ۸ نے معجزے دکھائے لیکن معجزوں سے شائد ہی کوئی قائل ہوا ہو گا۔ حضرت ابراہیمؑ بھڑکتے شعلوں میں سے صحیح سالم نکل آئے۔ حضرت موسیٰؑ دریا پر چلتے ہوئے نکل گئے۔ حضرت عیسیٰؑ نے مردے زندہ کر دیئے

۱۔ دکھاوے کے لیے۔ ۲۔ سبز مرچیں۔ زہر عشق مجازی۔ ۳۔ شہادت کی نشانی۔ شہید خفی و جلی۔ ۴۔ میں ہوں۔ وہ عظیم میں۔ خود آگاہی۔ ۵۔ عشق کی سچائی کا صلہ۔ اویسی نسبت اویس قرنی کے لیے لائے ہوئوں میں سے چار بچے ہوئے کیلے۔ ۶۔ دنیادار۔ ۷۔ ہوش کو اثر پذیر کر کے حیات سے آزاد، لاشعوری عمل۔ ۸۔ وَلیوں۔

لیکن تاریخ گواہ ہے کہ یہ سب تنہا مسافر تھے، جن کے معجزوں نے کسی کو قائل نہیں کیا۔ صرف ان کی زندگی اور موت کی یادوں نے انسانیت کی آنکھیں کھولیں اور آج کل بھی اس شیطانی چرخے دال دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن یہ سنساری اور سائنسدان ان سے بھی صرف چھوٹی چھوٹی دنیاوی غرضیں پورا کرنے کے لیے کہتے ہیں اور کوئی بھی اُن سے وہ بڑا معجزہ نہیں چاہتا جو ایک مٹی کے ڈھیلے ۱ کو دمکتا ہوا سونا بنا دے۔ سچ کڑوا ہوتا ہے۔ کڑوا اس لیے کہ اس کی کڑواہٹ تمہارے تالو سے چپک کر رہ جاتی ہے۔ جبکہ مٹھاس آہستہ آہستہ غائب ہو جاتی ہے۔ ہر ایک اپنے آپ سے بھاگ رہا ہے اور ہر ایک بھاگنے کا ہی راستہ پوچھتا ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ اس لیے کہ 'نامعلوم' کا خوف ہے۔ اپنے آپ کی گہرائیوں کی تاریکیاں بہت زیادہ خوفناک ہیں اور وہ اپنے میں غوطہ لگانے سے گھبراتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو بھولنے کی سخت کوشش کرتے ہیں کہ ''جاننا ہو جانا ہے'' اور ہو جانے کے لیے جاننا ضروری ہے اور جاننے کے لیے ہو 'جانے' سے نہیں بچ سکتے اور 'ہو جانے' کے لیے تمہیں بہت طول طویل سڑک پر چلنا ہے۔ اس کے لیے کوئی مختصر راستہ نہیں ہے اور اسی لیے

میں سائنسدانوں اور سنساریوں ۲ سے کہتا ہوں کہ میں تم کو لیکر، دیوار یا آگ کے فرش سے گزر تو جائوں، لیکن میرے اس جادو سے نہ تم کو کوئی فائدہ پہنچے گا اور نہ مجھ کو۔

شہادت:۔ حیات کی ایک لازمی خوبی' دوام ہے۔ پھیلے ہوئے جہاں کے

خوردبینی پیمانے پر تمہیں وہ ہزاروں طریقے نظر آئیں گے۔ جس میں فطرت تخلیق کرتی ہے اور پھر اس تخلیق سے تخلیق کر کے بھی ہمیشہ تازہ دم اور زندہ رہتی ہے اور خوردبینی پیمانے پر ہمیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ ہر فرد سے جو خود زندگانی کے بڑے

۱۔ مُرادِ وجودِ انسانی۔ ۲۔ دنیاداروں

دریا میں مرکزی نقطہ بھی ہے اور لہر بھی، اس زبردست ذہنی کوشش کا اظہار ہو رہا ہے کہ اپنی بقا اور تسلسل ۱ کو قائم رکھے۔ اس طرح سب سے بڑی قیمت۔ سب سے بڑی قربانی سب سے بڑا تحفہ جو حیات دے سکتی ہے وہ خود حیات ہے۔ اس طرح کسی شہید کی کسی مقصد کے لیے شہادت، درحقیقت اس مقصد کی سچائی کا ثبوت ہے۔ کیسی قوتِ یقین، کیسی قوتِ ارادی، کیسی عظمت، کیسی شان، کی ایک شہید کو ضرورت ہوتی ہے۔ کہ اپنی قربانی اور فنا کے ذریعہ یہ شہادت دے۔ تمہاری کٹی ہوئی شہ رگ سے بہتا ہوا یہ گرم سرخ خون ہی ہے۔ جو تمہارے چولے کو سرخ رنگ دے گا اور اگر تمہاری قسمت میں مقرر ہے کہ تم خون میں نہائو گے، تو صرف یہی عمل تم کو حق میں لے جانے کیلئے کافی ہو گا۔ اب چاہے تم جو کچھ بھی ہو یا جو کچھ بھی رہے ہو باقی تین ۲ کی کوئی ضرورت نہیں اگر حریم حق کا کوئی مختصر راستہ یا چور دروازہ ہے تو یہی ہے اور صرف یہی۔

او سائنسداں! او سنساری! اُس شخص کے لیے جو حقیقتوں کی سب سے سخت حقیقت کے انکار کی ہمت کر سکے، جو کہ اُس کا اپنا ہی وجود ہے اور اس طرح اسے ثابت کر سکے، تو کیا تم سمجھتے ہو کہ صرف اینٹوں کی دیوار یا آگ اس کے لیے کوئی معنی رکھے گی۔

جس نے خون میں نہانے کی ہمت کی ہے، لیکن تقدیر نے کچھ اور فیصلہ کیا ہو۔ اسے ابھی طویل راستے پر چلنا ہے۔ اسے وہ چوتھی ۳ مرچ بھی چبا کر ہضم کرنا ہو گی۔ فنا کی گرد ۴ سے اسے پھر اپنی ہستی اور قوت میں جنم لینے کی سختی برداشت کرنا ہو گی۔ تب کہیں جا کر وہ حق کی زندہ شہادت ۵ بن سکے گا۔ ایسے انسان کے لیے سچ ۶ کہا گیا ہے کہ اس کا ہاتھ دست قدرت ہوتا ہے وہ جو کچھ بولتا

ہے وہ حق ہے۔ اور ہو کر رہے گا۔ اس نے کائنات کی عظمت حاصل کر لی ہوتی ہے۔ نہیں بلکہ وہ سبب ارادہ اور مقصد تک پہنچا ہوتا ہے، جو اس کائنات

ا۔ تسلسلِ حیات کے لیے۔ ۲۔ باقی تین مرچ۔ ۳۔ شہادتِ خفی۔ ۴۔ فنا در فنا۔ ۵۔ مظہر حق باللہ۔ ۶ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

کے پیچھے اور ماوراء ہے۔ وہ اس قدر اپنے آپ سے ہم آہنگ ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک انسان ہوتا ہے۔ ایک بچہ کی طرح سادہ، بکری کی طرح معصوم اور سب کی بات سننے کے لیے ایسا آمادہ جیسے خدا خود ہے۔

اب بھائی! تمہاری سمجھ میں آ گیا 'آہم' (میں ہوں) کیا ہے، ہاں، حق، اوہ! ابھی بہت سارا راستہ چلنے کو باقی ہے۔ اس کڑوی، تیز، جلن والی چیز کو ہضم کرنے کے بعد چراغ ہاتھ میں لیے تمہیں نیچے اترنا ہے۔ دنیا میں واپس آنا ہے۔ اب کشت و خون اور آنسو تمہیں پریشان نہیں کرتے اور نہ انسان کی نہ ختم ہونے والی کوشش تم کو پریشان کرتی ہے۔

ہلدی!

جب میں نیچے اُتر رہا تھا تو میرا گذر ایک گائوں سے ہوا جہاں ہولی[1] کا تہوار پورے زوروں پر منایا جا رہا تھا۔ ایک شریر لڑکی نے ہلدی کے پانی کی پوری پچکاری میرے چہرے پر مار دی۔ چند قدم آگے ایک سرخ دوشیزہ یکایک برابر سے نکلی اور اس نے اپنے نچلے ہونٹوں کو دانتوں میں دباتے ہوئے ایک بالٹی اٹھائی اور پوری مجھ پر انڈیل دی۔ سر سے پائوں تک میں اور میرے سارے کپڑے بھیگ گئے۔ جتنا بھی میں نے دھویا پیلا[2] رنگ مجھ سے چمٹتا رہا اور دور نہ ہوا۔ سو میں نے قبول کر لیا اور آگے بڑھ گیا۔ میں ایک گائوں سے گزرا، جہاں صرف عورتیں اور لڑکیاں تھیں۔ ان سب کے چہروں پر ہلدی[3] ملی ہوئی تھی۔ میں سوچنے لگا، ان کے مرد اور لڑکے کہاں گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا

ا۔ ہندوئوں کا ایک دوسرے پر رنگ ڈالنے اور عید کی خوشیوں کا سا دن۔ ۲، ۳۔ سپردگی کی نشانی۔

کہ وہ سب کے سب مل کر اُس سرخ بوٹی کی تلاش میں نکلے تھے جو چاندی کو سونے کے رنگ ۱ میں رنگ دیتی ہے، اور پھر کبھی واپس نہیں آئے۔ میں نے پوچھا۔ ''تمہاری گزر کس پر ہوتی ہے۔ کہنے لگی ''سپردگی پر ۲'' میں نے پوچھا کیا کھاتی ہو۔ کہا ''بھنا جگر ۳'' میں نے پوچھا۔ کیا پیتی ہو۔ کہا ''سرخ شراب ۴'' میں نے پوچھا۔ '' یہ چھوٹی چھوٹی کھلتی ہوئی لڑکیاں زرد رنگ میں کیوں رنگی ہیں۔'' انہوں نے کہا۔ ''کیا آپ نہیں جانتے یہ رنگ بُری نظر سے بچاتا ہے، چاہے وہ حسد کی ہو یا شہوت کی۔''

او بھائی! انسانیت نے بُری طرح گناہ کئے ہیں۔ اور پیدائش در پیدائش ۵ کے ایسے چکر میں پڑ گئی ہے کہ ابھی سُور کی طور پیدائش تو اب کی بار کتے کی طرح۔ ابھی بھینس کی طرح تو ابھی گیدڑ کی طرح اور یہ سب اس لیے کہ اُس نے عورت کو کم تر سمجھا۔

(ہو سکتا ہے کہ) ایک 'منا کا' ۶ نے 'وشوامتر' کی سولہ ہزار سال کی تپسیا کو خاک میں ملا دیا ہو اور حضرت عیسیٰؑ نے بھی یہ اعلان کیا ہو۔ ''دُور ہو جا اے عورت! تو گناہ کی جڑ ہے۔'' اور رشیوں نے بھی کسی مصلحت کے تحت سنیاس ۷ کا نسخہ بتایا ہو۔ لیکن میں ان سب سے کہتا ہوں' او بھائی! جب کوئی چیز ہی نہ ہو گی جس سے پرہیز کرنا ہے تو پھر کس سے پرہیز کرو گے۔ تم کسی پہاڑ سے دور بھاگ کر نہیں گزر سکتے اور کیا عورت کا بیج مرد میں (نہیں ہے) اور مرد کا بیج عورت میں نہیں ہے۔ ادراوہ میرے پاگل بھائی! تم چیز سے بھاگ سکتے ہو، لیکن کیا اپنے آپ سے بھی بھاگ سکو گے؟ یہ ایک مقصد کے ساتھ لگاؤ، یہ خلوص کار، یہ انجانِ القا جو تمہاری قوتِ ارادی کو رُخ دیتا ہے۔ کیا یہ سب عورت کا بیج نہیں ہے۔

۱۔ دولت کی فکر میں۔ ۲۔ خلوص' وفا۔ ۳۔ ہجر کی آگ میں جلا ہوا کلیجہ۔ ۴۔ خونِ دل۔ ۵۔ آواگون۔ ایک جنم سے دوسرا جنم۔ اعمال کے مطابق۔ دراصل اسی زندگی میں تبدیلی روحانی۔ ۶۔ وہ خوبصورت عورت جس نے عبادت گزار کا صدیوں کا زہد و تقویٰ برباد کر ڈالا۔ ۷ مجرد رہنا، شادی نہ کرنا۔

مرد! ہر چیز قابو میں کرنے والا۔ زور آور، برتری دکھانے والا۔ حکم چلانے والا جنگل کا شکاری مرد۔ جو آزادی کے لیے ہلکان ہے۔ جس کا جوہر آزاد ہے۔ مرد جو کہ غیر ذمہ دار بچہ ہے۔ وہ بھلا کبھی بھی بے لوث خلوص و وفا کے معنی کیسے سمجھ سکتا ہے۔ بے نفسی سے کامل سپردگی کے معنی اور اس ذمہ داری کے معنی جس سے عورت اپنی کوکھ میں عالمین کے قانون کو سمیٹے رکھتی ہے۔ بھائی بغیر بے لوث وفا کے تمہارے چراغ کا سارا تیل، اور تمہاری زندگی کے چاروں باب، حرص و ہوا کی نذر ہو جاتے ہیں اور تم کہیں کے نہیں رہتے

کبھی تم نے ولوا[1] کنیا کے پھول پر توجہ دی ہے۔ میں اس پر روشنی ڈالتا ہوں۔ یہ ایک بہت ہی نازک چمپا کی طرح کا پھول ہے۔ نہ بہت چھوٹا ہے نہ بہت بڑا۔ اس کا جسم سفید ہے۔ دودھ اور چاندنی جیسا ملائم۔ اور اس کی پتیاں اس قدر بے تکلفی اور اپنائیت کے ساتھ کھل جاتی ہیں کہ جسے ایک عورت کا دل ہی جان سکتا ہے۔ اس کے مرکز میں ایک نہایت ہی نازک پیلے رنگ کی جھلک ہوتی ہے۔ جو اپنی آب تاب، اپنی خاموشی، اپنی موسیقیت اپنے حسن و جمال میں 'سوائے اپنے کوئی ثانی نہیں رکھتی۔ اس کی بہت نرم بھینی اور اپنے کو ماحول پر حاوی نہ کرنے والی خوشبو کا مقابلہ 'صرف اُس سے بھی سادہ' اس کے اپنے حسن کی مٹھاس اور ملائم رنگت سے کیا جا سکتا ہے۔ مرد یہ سوچ سکتا ہے کہ یہ اتنا چھوٹا سا معمولی پھول ہے۔ اور (لاپرواہی سے) اسے اپنی انگلیوں میں مسل بھی سکتا ہے۔ اور ہم روزانہ ہزاروں ایسے پھولوں کو مرد کی تجربہ کار انگلیوں میں پستا دیکھتے ہیں۔ لیکن یقین کیجئے یہ پھول بطورِ نذرانہ فوراً قبول ہو جاتے ہیں۔

عشق تم کو وہ کنجی دیتا ہے جو جنت کا دروازہ کھول دے۔ عشق ایک آگ

ا۔ چڑھاوے کے زرد پھول۔ معصوم سپردگی کی نشانی۔ نوخیز لڑکیاں۔

ہے جو ہر چیز کو بھسم کر دے۔ چاہے بڑی ہو یا چھوٹی۔ چاہے عالم ہو یا جاہل، سپاہی ہو یا سپہ سالار چاہے کسان ہو یا بادشاہ، یہ ایک چور کی طرح داخل ہوتا ہے اور کوئی اس سے بھاگ نہیں سکتا۔ یہ تم سے سب کچھ چرا لیتا ہے تاکہ تم اپنے مالک کے سامنے پاک اور ننگے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ بڑے سے بڑے خوف کو کم کر دیتا ہے اور بدقسمتی کے بڑے سے بڑے طوفانوں کو، سکون کی حالت میں لے

آتا ہے۔ یہ تم کو سطح سمندر کے برابر لے آتا ہے۔ جو بہت طاقتور صرف اس لیے ہے کہ وہ سب سے نیچا ہے (علم) ۲ تم کو صرف جنگلوں میں لے جائیگا، (طریقت) ۳ تمہارے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند رکھ دے گی۔ لیکن بھگتی ۴ ہی صرف تمہارے وجود کی دوئی کو مٹا سکتی ہے، ایسے ہی جیسے روشنی اندھیرا دُور کر دیتی ہے۔ اس لیے اے طالب! میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم وہ یقینی راستہ چاہتے ہو جس کا کوئی اختتام نہیں اور جو تم ہی میں ختم ہوتا ہے اور اگر تم خود وہ (نغمہ) بننا چاہتے ہو جو تم تاروں بھری رات (کے سکوت) سنتے ہو۔ اور اگر تم (اُبھرتے) سورج کی (شان و شوکت) ہونا چاہتے ہو جو دھند کو مٹا کر، اپنے آپ کا حیات کی شکل میں بیج کا کونپل میں سے اظہار کرتا ہے۔ اگر تم موتی کی آب اور وہ خوبی بننا چاہتے ہو جس نے انسان کو انسان بنایا تو اپنے آپ کو عورت کے قدموں میں جھکا دو۔ وہ جو ایک دوشیزہ ہے۔ ایک بیوی ہے۔ ایک ماں ہے اور اس سے وہ راز سیکھو جس نے تمام کائنات کو آپس میں سنبھال رکھا ہے اور اس کو گرد و غبار اور ذراتِ برق میں پھٹ پڑنے سے بچایا ہوا ہے۔

او طالب! میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ ہلدی کے بغیر تم شہنشاہ تو بن سکتے ہو اور ستاروں سے اپنی مرضی پر رقص کروا سکتے ہو۔ لیکن تمہاری رسائی حق تک نہیں ہو سکتی۔

۱۔ منکسر مزاجی۔ ۲۔ علم و دانش۔ ۳۔ ریاضت عبادت تقویٰ۔ ۴۔ عشق محبت و سپردگی۔

جو سچائی ہے اور یاد رہے۔

"حق سے ذرا کم بھی ہرگز حق نہیں ہوتا۔"

سادھو جی! میں نے تم کو عظیم کیمیا کا نسخہ بتا دیا ہے۔ صرف تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ تیل مرچ ہلدی۔ ہاں۔ یہ اتنا ہی سادہ ہے۔

تم کو دل گیر نہیں ہونا چاہئے۔ ہر آدمی کو پیدائشاً یہ تینوں ملی ہیں، لیکن عام طور سے ان میں سے ایک یا دو چھپی ہوتی ہیں جن کو اُبھار کر باہر لانا پڑتا ہے اگر تم محسوس کرو کہ ایک انتھک قوت، (ناقابل تسخیر) بہادری و ہمہ گیر جوش و خروش، جرأت اور اقدام کی تم میں کمی ہے تو تمہارے تیل کی مقدار کم ہے اور برخلاف اس کے اگر یہ سب تم میں ہے اور تمہارے ہونٹوں پر اعتماد اور خود

اعتنائی کی مسکراہٹ ہے اور تم صرف عورتوں اور ہجوم کو اپنی جانب راغب کر سکتے ہو تو تمہارا تیل اچھی قسم کا نہیں۔

اگر تم میں بلا کی خود اعتمادی ہے اور تم للکار کر زندگی کی ہر جنگ جیت سکتے ہو، اور دیوار کی جانب پشت کئے آخری جنگ بہادرانہ لڑ سکتے ہو۔ جب تم چلا سکتے ہو۔ اور لوگوں کو سننے پر مجبور کر سکتے ہو اور دوسروں کو اپنے احکامات سمجھنے یا اُن پر عمل کرنے پر مجبور کر سکتے ہو' اگر تم اپنی محبوبہ کو سینہ سے لگا سکتے ہو اور اُس کی پسلیاں جذبات کی شدت میں چٹخا سکتے ہو اور اگر تم ماحول کو اپنی مرضی اور ارادے کے مطابق ڈھال سکتے ہو۔ تو یقین کرو تمہاری مرچیں (بدبودار اور خراب) ہوں گی۔ لیکن اگر تم اپنے آپ کو قانونِ قدرت کے ساتھ ایسا ہم آہنگ کر سکو کہ تمہاری عزت و شان، اللہ کی عزت و شان ہو جائے جب تم میں وہ صبر و تحمل آ جائے کہ گناہ اور عذاب کو ایسے گلے لگا لو' جیسے فطرت اپنی شرم کو ڈھانپنے کے لیے کپڑوں کا استعمال کرتی ہے۔ جب تم لاتعلق سورج کی طرح چمک سکو اور ہر ایک پر اپنی کرنیں بکھیر سکو، تب تمہاری "آہم ا" تمہاری انا اچھے قسم کی ہے۔

ا۔ میں ہوں

لیکن اگر تم غلطی میں موت کو سکون اور نیند کو شانتی سمجھتے ہو اور (ناتواں) غربت کو نیکی' اور کمزوری کو اپنے بچاؤ کا بہانہ سمجھتے ہو۔ اگر تم (ترس) اور رحم کو دعوت دیتے ہو اور تنہائی کو پناہ سمجھتے ہو' اتر تم اپنے آپ کو قربانی کے لیے اس وجہ سے پیش کرتے ہو کہ تم بیکار ہو اور قربانی کے لیے اس وجہ سے تیار ہو کہ مرنا چاہتے ہو تو تمہاری ہلدی خراب قسم کی ہے۔

مگر جب تم میں مٹھاس اور خوشبو ایسی ہو کہ مائل کرتی ہو لیکن مجبور نہ کرتی ہو۔ جو سرگوشی کرتی ہو لیکن شور نہ کرتی ہو۔ جو تم کو دیکھتی تو ہو پر مانگتی کچھ نہ ہو جو تم کو ہمکا کر سُلا تو دے لیکن چوکیداری کرتی رہے جو اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دے۔ لیکن جب تمہیں لے جائے تو اپنے آپ کو ہلکا محسوس کرے۔ بوجھل ہونے کا احساس نہ ہو۔ تب واقعی ہلدی اچھی قسم کی ہے۔

آدمی کو آدمی کے متعلق فیصلہ صادر نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن اگر تم اُس میں جھانکنا چاہتے ہو تو ایسے دیکھو جیسے اللہ ہم سب کو الگ الگ دیکھتا ہے۔ اس کو اس کی اصلیت میں دیکھو۔ ان خصوصیات میں دیکھو جو اس کے بعد باقی رہ جاتی ہیں۔ اگر تم اس کو برہنہ دیکھنا چاہتے ہو یعنی اس کے

علم، اس کے اخلاق، اس کے عرفان، اُس کی دولت اور اس کی طاقت کے کپڑے 'اتار کر' تو پھر اس کے اخلاق میں ان ہی تین اجزاء کو دیکھو ان اجزاء کی قسم، مقدار کو دیکھو، اور تناسب اور توازن کو دیکھو۔ ان کو متحرک عملی انداز میں دیکھو۔ کیونکہ اس کائنات میں موت بھی ساکن نہیں ہے۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ صرف دیکھو۔ پر فیصلہ صادر نہ کرو میں کہتا ہوں کہ انسانوں پر صرف نظر ڈالو، اس لیے کہ اپنے آپ کو دیکھنا (پریشان کُن) حد تک مشکل ہے۔ اور اگر تم اپنے آپ کو دیکھنے میں کامیاب ہو بھی گئی تو لرز جائو گے اور پاگل کتے کی طرح ہر اس شخص پر بھونکنا اور کاٹنا شروع کر دو گے جو تمہارے پاس آئے گا۔ لوگوں پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ کیا ڈرامہ ہو رہا ہے۔ اور آہستہ آہستہ تم جان لوگے کہ دراصل یہ تمہارے اپنے ہی کا عکس ہے جو تم لوگوں میں دیکھتے رہے ہو۔ حقیقت سے یہ نرم نازک آشنائی نہ تمہیں دھچکا دے گی نہ اکھاڑ پھینکے گی۔

اب بھائی! میں تم کو ایک چھوٹی سی کہانی سناتا ہوں۔ ایک نوجوان سادھو اپنی تلاش کے دوران شام کے وقت ایک شہر کے نواح میں پہنچا، وہاں اسے آم کا ایک پرانا باغ دکھائی دیا۔ اس میں ایک کنواں بھی تھا۔ اس نے سوچا کہ ہاتھ پیر دھو کر کچھ تھکن دور کر لوں۔ وہ کنوئیں کے پاس آیا اور اپنے آپ کو تازہ دم کرنے کے بعد جانے ہی والا تھا کہ اس نے دیکھا کہ کچھ آدمی قریب کی ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت سے باہر نکل کر آ رہے ہیں، وہ بھی وہاں چلا گیا۔ اندر پہنچا تو دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی درمیان میں بیٹھا اپنے ارد گرد بیٹھے آدمیوں سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ نوجوان سادھو بھی ایک طرف جا بیٹھا اور مراقبے میں آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ بہت خوشی محسوس کی۔ پھر اس بوڑھے آدمی کو خدا حافظ کہتا ہوا باہر جانے لگا۔ اس بوڑھے نے اسے واپس بلایا اور پوچھا۔ "اے سادھو! کیا دیکھا؟" سادھو نے جواب دیا۔ "میں بہت خوش ہوں آپ واقعی خدا رسیدہ شخص ہیں۔ خدا حافظ۔" بوڑھے آدمی نے پھر پوچھا۔ "سادھو جی! کیا دیکھا۔" نوعمر سادھو بیٹھ گیا اور کہا۔ "میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ سو میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی خوبصورت سے پالش کیا ہوا آئینہ ہے۔ لیکن اس کے نچلے حصے میں ابھی تک بس ایک چھوٹا سا کالا داغ ہے جو مجھے یقین ہے کہ آہستہ آہستہ اپنے وقت پر مٹ جائے گا۔ بوڑھے آدمی نے حیرت کا اظہار کیا اور کہا "اگرچہ تم بہت نوعمر ہو' پر تمہاری نگاہ بہت گہری ہے۔ یہ تم نے کیسے حاصل کی۔" سادھو نے جواب دیا۔"

میرے والدین کے یہاں اولاد نہیں تھی، انہوں نے شیوا دیوتا کی منت مانگی کہ اگر نرینہ اولاد ہو تو اسے سنیاسی ۲ بنائیں گے۔ کچھ عرصہ بعد جب

۱۔ تخلیق کا فرشتہ۔ ۲۔ تارک الدنیا۔ دنیا سے کنارہ کرنے والا۔

میں پیدا ہوا اور چار سال کا ہوا تو مجھے ایک گرُو کے حوالے کر دیا گیا۔ جب میں بارہ سال کا ہوا تو میرے گرو دیو نے مجھے ایک عملی منتر ۱ دیا۔ اسے نصیحت کہہ لو، چاہو تو حکم کہہ لو اور مجھے کہا گیا کہ دنیا میں گھوموں، پھروں۔ منتر ایہ ہے کہ میں 'ہر اُس کام کے خلاف کروں جو میری انا ۳ مجھ سے کرانا چاہے اور پھر پچھلے چھ برس سے بغیر حکم عدولی کے میں یہ حکم مانتا رہا ہوں۔ اور بس۔'' بوڑھے آدمی نے کہا۔ ''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ میں بہت خوش ہوا۔ لیکن کیا تم جانتے ہو کہ جو کچھ تم نے آئینہ کی شکل اور داغ دیکھا، وہ تم خود تھے، میں نہیں تھا۔ میں تمہیں یہ بھی بتائوں گا کہ وہ چھوٹا داغ کیا ہے۔ تم اپنے آپ کو میرے سپرد کر دو۔ مجھ سے اپنے کو بھر لو، مجھ سے اپنے کو گھیر لو، یہاں تک کہ سوائے میرے تمہارا کچھ نہ رہے۔ تب تم کمال پر پہنچ جائو گے۔'' سادھو نے جواب دیا۔ ''یہ ناممکن ہے، میں یہ نہیں کر سکتا۔'' بوڑھے آدمی نے اسے یاد دلایا۔ ''تم اپنے گرو کا فرمان پلٹ رہے ہو۔'' تب سادھو نے ہوش مندی کا اظہار کیا اور اپنے کو سپرد کر دیا۔ بوڑھے آدمی نے اب اسے اپنے اندر جھانکنے کو کہا۔ سادھو نے اب دیکھا کہ ایک بے داغ ۴ چمکدار آئینہ ہے۔ جب اُس نے دوبارہ دیکھا تو اُس میں اُسے کل کائنات نظر آئی اور وہ چلتا بنا۔

اتمامِ حجت

او سادھو جی! سنو تو۔ کدھر چلے۔ تم کہاں جا رہے ہو۔'' سادھو نے مڑ کر دیکھا۔ اُسے ایک کم عمر لڑکا، تقریباً جوان نظر آیا۔ جس نے ---------- جس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ لیکن آنکھیں شفاف اور زندگی سے بھرپور---------- آیا اور پھر کِھل کھلاتی ہنسی کا ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

۱۔ مرشد۔ ۲۔ تلاشِ حق کی راہ میں ڈالنے کی بات۔ ۳۔ میں

کہ لڑکا بھی بے اختیار ہنس پڑا اور وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ، ناچتے ، ہنستے اور ہنستے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آنسوئوں سے ان کے چولے تر بتر ہو گئے۔ وہ کبھی سانس لینے رُکتے پھر ہنسی چھوٹ جاتی اور قہقہے مارنے لگے۔ بہر حال تھوڑی دیر بعد سادھو کچھ سنجیدہ ہوا اور اپنے آپ سے سوال دہرانے لگا۔ ''او سادھو! کدھر چلے، کدھر چلے۔'' اور اپنے سے کہنے لگا۔ ''سنو! ارے میرے حسین اپنے آپے میں تمہیں بتاتا ہوں۔ اس ۱ کی اس ظاہری نظر ۲ آنے والی حقیقت سے نہ کوئی مثال دی جاسکتی ہے، نہ تشبیہ، نہ اشارہ، کوئی بھی الفاظ جو ہم استعمال کرتے ہیں، خواہ کتنے ہی شاعرانہ ، کتنے ہی معنی خیز کیوں نہ ہوں، اصل کے مقابلے میں سایہ ہیں اور سائے وہ تاریکیاں ہیں، جو صرف یہی بتاتے ہیں کہ کیا نہیں ہے نہ کہ یہ کہ کیا 'ہے' کچھ ایسا ہی رشتہ ۳ اس عالم ظہور ۴ میں اور اُس ۵ 'میں 'ہے' مکان پھٹ کر اپنا خاتمہ کر دیتا ہے۔ زمان اس قدر زندہ ہو جاتا ہے کہ صرف حیات رہ جاتی ہے، زمان نہیں ہوتا لہٰذا نہ کہیں جانا ہے نہ کچھ کرنا ہے۔ نہ کوئی منزل ۶ ہے تو پھر حق کا نقطۂ نوری 'اَنا' جس سے سفر شروع ہوا تھا وہ بھی کہیں نہیں ہے۔ اگرچہ تم ہزاروں نام دو اور وہ سب سچے ہوں۔ اس طرح 'بس وہ ہے'۔ لڑکا کچھ دیر تک مزے لیتا رہا۔ پھر مسکرایا اور سادھو سے کہا۔ ''پھر یہ تمام ۔۔۔۔ اور الجھن کس لیے؟ جو کچھ تم کہتے ہو ''ہے ہی ایسا'' اور ہمیشہ سے ایسا ہی رہا ہو گا۔ ۔۔۔ مجھے دھیان ہی اس وقت آیا، جب یہ مجھ سے تھوڑی دیر کے لیے ، اس لمحہ کھو گیا تھا جب ۔۔ پہلے ایک سانپ نے مجھے ڈس لیا تھا، اور میں موت کے سامنے تھا۔ اگرچہ صرف ایک۔۔ مجھے سانپ نے نہ کاٹا ۹ ہوتا۔ خیر یہ بھی ٹھیک ہے۔ میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔

بلکہ دراصل میں کچھ نہیں جانتا۔ میں اَن پڑھ انجان ہوں۔ پھر بھی مجھے یہ محسوس ۱ ہوتا ہے کہ ترکیبی اعتبار سے ہم ایک ۲ ہیں۔ کیا ایسا ہی ہے۔''

سادھو حیران رہ گیا۔ اس نے لڑکے کی قدم بوسی کی ۔ اسے سلام کیا۔ اپنا چولا اتار کر پھینک دیا اور ایک قابل طبیب ہونے کی وجہ سے اگلے شہر کا غیر سرکاری ڈاکٹر بن گیا۔ اکثر جب وہ مریض دیکھ رہا ہوتا تو اپنے آپ سے کہتا۔

"مریض، ڈاکٹر، دوا، شفا۔" اور کِھل کھلا کر ۳ ہنسانے والی خوشبو دار ہنسی ہنس پڑتا۔ جو لوگ اس کے آس پاس ہوتے وہ بھی ہنس پڑتے اور لطف ۴ لیتے۔

کہ تُو ہے

۱۔ اُس ایکائی کا لطف آتا ہے۔ ۲۔ اُس سے غیریت میں کچھ ہے ہی نہیں۔ ۳۔ وحدت الوجود کے کیف میں۔ ۴۔ اُس ہم آہنگی کیف میں آجاتے 'جو ہر وجود میں پوشیدہ ہے۔

☆...☆...☆